4

آپ کے سر پہ

"دو ہولڈال۔ دو ٹرنک۔ ایک سوٹ کیس۔ اور۔ ایک تھیلا۔ ایک لوٹا مع گلاس۔ ٹھیک ہی ہے۔" غوری صاحب قلی کی طرف گھومے۔ "ہاں بھئی کتنے پیسے ہوئے تمہارے حساب میں؟"

"پانچ روپے۔" قلی نے جواب دیا مگر فوراً ہی چونک کر بولا۔ "بابو جی میرے حساب میں یا آپ کے حساب میں۔؟"

"ارے بھئی میرا مطلب یہ نہیں تھا۔" غوری صاحب بولے "کیا کروں عادت پڑ گئی ہے تمہارے حساب میں کہنے کی۔ عمر گذر گئی نواب لوٹم پور کی خدمت کرتے۔ بہت بڑی ریاست تھی ہزاروں کاشتکاروں کے لگان اور قرضے وغیرہ کا سارا حساب کتاب میرے ہی ذمے تھا۔ کوئی آتا تو نواب صاحب پوچھتے کہ ہاں غوری صاحب ذرا بتانا اس کا حساب۔ تو بھیا کبھی اس کا حساب تمہارے حساب میں اور کبھی اس کا حساب تمہارے حساب میں دن بھر سینکڑوں کا حساب بتاتے بتاتے

یہ الفاظ زبان پر چڑھ گئے۔ اب چھوڑنا چاہتا ہوں تو چھوٹ نہیں سکتا۔
قلی ہنسنے لگا۔

"بابوجی پانچ روپے ہوئے۔" اس نے پھر بتایا۔

غوری صاحب نے ناک پر رکھا ہوا چشمہ سنبھالتے ہوئے جیب سے پانچ روپیہ کا نوٹ نکال کر قلی کے ہاتھ پر رکھا۔ قلی سلام کر کے چلا گیا تو غوری صاحب شبانہ کی طرف متوجہ ہوئے جو سامان ٹھیک سے رکھ رہی تھی۔ کمپارٹمنٹ میں کوئی دوسرا مسافر نہیں تھا۔ غوری صاحب نے کھڑکی کے قریب والی برتھ پسند کی اور چھت پر لگے بجلی کے پنکھے کا رخ برتھ کی جانب کرتے ہوئے اطمینان سے بیٹھ گئے۔

"شکر ہے بیٹی ایک مرحلہ تو طے ہوا تمہارے حساب میں۔" وہ شیروانی کے بٹن کھولتے ہوئے بولے۔ "جب وہ انسپکٹر سوٹ کیس کو الٹ پلٹ کر غور سے دیکھ رہا تھا تو میری تو جان ہی نکل گئی تھی۔"

"اگر آپ نے مجھے پہلے بتا دیا ہوتا کہ سوٹ کیس میں سونے کی سلاخیں چھپا کر لئے جا رہے ہیں تو میں کبھی ہرگز بھی نہ لانے دیتی۔" شبانہ نے جواب دیا۔ "بتایئے اگر کسی کسٹم والے کو شبہ ہو جائے اور وہ سوٹ کیس کے نیچے لگی ہوئی لکڑیاں توڑ کر دیکھ لے تو ہم کہاں ہوں گے۔ اور پھر آپ کی گھبراہٹ اور بدحواسی۔ خدا ہی ہے

جو خیریت سے مرشد آباد پہنچا دے۔"

"تو پھر تم ہی بتاؤ بیٹی میں اور کیا کرتا۔ زندگی بھر کی کمائی وہیں چھوڑ آتا تمہارے حساب میں۔" غوری صاحب نے کچھ ناگواری کے ساتھ کہا۔ "جب حکومتیں جائز قانونی راستے بند کر دیں تو شریف آدمی اسمگلنگ کے علاوہ اور کیا کر سکتا ہے۔ بہرحال ایک سرحد تو پار کر لی۔ دعا کرتی رہو کہ وہاں بھی کسی سیدھے سادے کسٹم آفیسر سے واسطہ پڑے۔ خدانخواستہ بھانڈا پھوٹ گیا تو جیل تو ہوگی ہی تمہارے حساب میں مگر زندگی بھر کے لئے پیسے پیسے کو محتاج بھی ہو جائیں گے۔ ساری پونجی اس سوٹ کیس میں ہی رکھی ہے۔ جیب میں تو صرف پچاس ساٹھ روپے پڑے ہوئے ہیں تمہارے حساب میں۔"

شبانہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سامان ایک طرف رکھتی ہوئی وہ بھی اسی برتھ پر بیٹھ گئی۔ اتنی دیر میں کچھ دوسرے مسافر بھی سرحدی کسٹم چوکی سے فارغ ہو کر کمپارٹمنٹ میں آنا شروع ہو گئے تھے۔ شبانہ نے برقعہ کا نقاب چہرے پر ڈال لیا اور کھڑکی کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئی۔ غوری صاحب نے سیاہ رنگ کے سوٹ کیس پر کہنی ٹکاتے ہوئے تھیلے سے ایک ناول نکالا اور مطالعہ میں مصروف ہو گئے۔ جلد ہی کمپارٹمنٹ کی چاروں برتھ مسافروں سے بھر گئیں۔ شبانہ کے ساتھ ہونے کی وجہ سے کوئی مسافر ابھی تک غوری صاحب کی برتھ پر نہیں آیا تھا۔ کتاب پڑھتے پڑھتے انہوں نے جیب میں ہاتھ ڈال کر کچھ ٹٹولا

مگر شاید جس چیز کی تلاش تھی وہ نہیں ملی تو ناک کی پھننگی پر رکھے ہوئے چشمے سے شبانہ کی طرف دیکھا۔

"بیٹی ایک چاکلیٹ تو نکال دو۔" انھوں نے کہا۔

"میں نے تو اسٹیشن پر ہی آپ کو بتا دیا تھا کہ پیکٹ خالی ہو..." شبانہ نے جواب دیا۔

"دیکھو تو لو شاید کوئی پڑی رہ گئی ہو۔"

"نہیں تھی نا۔ پیکٹ بھی میں نے پھینک دیا ہے۔" شبانہ بولی "اور خدا کے لئے ابو یہاں ڈبے میں کسی مسافر سے مٹھائی مانگنے کی کوشش مت کیجئے گا۔ دو تین گھنٹے کی بات اور رہ گئی ہے۔ مرشد... پہنچ کر پیکٹ خرید لیں گے۔"

"لاحول ولا قوۃ بیٹی اب اتنا ندیدہ بھی نہیں ہوں کہ مسافروں کے آگے ہاتھ پھیلانے لگوں تمہارے حساب میں۔" غوری صاحب نے کہا اور دوبارہ ناول کے مطالعے میں مصروف ہو گئے۔ مگر اندازہ تھا کہ پڑھنے میں دل نہیں لگ رہا ہے۔ بار بار پہلو بدل کر ادھر دیکھنے لگتے۔

اچانک کمپارٹمنٹ کا دروازہ کھلا اور ایک نوجوان ہاتھ میں ایک ٹوکری سی لٹکائے اندر داخل ہوا۔ اس کے پیچھے قلی سر پر ہولڈال اور سوٹ کیس اٹھائے آرہا تھا۔ اس نے سرسری نگاہ سے ڈبے کا جائزہ لیا۔ غوری صاحب نے غور سے ٹوکری کی طرف دیکھا جیسے

کر کچھ سونگھنے کی کوشش کی۔

"اسی طرف آجاؤ برخوردار۔" انھوں نے اپنی برتھ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ایک آدمی کی گنجائش تو نکل ہی آئے گی تمہارے حساب میں۔"

"شکریہ۔" نوجوان نے قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔ "قلی سامان اسی طرف رکھ دو۔"

قلی نے ہولڈال اور سوٹ کیس برتھ کے اوپر رکھ دیے۔ نوجوان نے اسے مزدوری دی اور جیب سے ایک قیمتی سگرٹ کیس نکال کر کھولتے ہوئے غوری صاحب کی طرف بڑھا دیا۔ غوری صاحب نے سر کو نفی میں جنبش دی۔ ان کی نظریں ٹوکری پر جمی ہوئی تھیں جسے نوجوان نے برتھ پر رکھ دیا تھا۔ اتنے میں نہ جانے کہاں سے ایک مکھی نے آکر ٹوکری پر بھنبھنانا شروع کر دیا۔ غوری صاحب کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"معلوم ہوتا ہے برخوردار۔" وہ منہ چلاتے ہوئے بولے "اس ٹوکری میں مٹھائی لئے جا رہے ہو تمہارے حساب میں۔"

"جی ہاں۔" نوجوان نے سگرٹ سلگا کر بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔

"سندیلے کے لڈو ہیں۔"

"اتنے بہت سے۔ معلوم ہوتا ہے کہ پوری دکان خرید لائے ہو تمہارے حساب میں۔"

"میرے حساب میں تو ایک بھی نہیں آئے گا۔" نوجوان مسکرایا

"یہ تو دوستوں کی فرمائش کی تعمیل کر رہا ہوں ورنہ مجھے مٹھائی سے کچھ زیادہ رغبت نہیں ہے۔"

"میرے خیال میں پانچ دس تو ضرور رہوں گے۔" غوری صاحب ناول پڑھنا بالکل بھول چکے تھے۔

"ابو" شبانہ نے ٹوکا۔

"اخوہ جبھی میں مانگ تھوڑی رہا ہوں۔" غوری صاحب نے بیٹی کی طرف دیکھا۔ "سفر میں ایک دوسرے کا حال احوال پوچھ ہی لیا کرتے ہیں۔"

نوجوان مسکرانے لگا۔ اس نے ٹوکری اٹھا کر اپنے اور غوری صاحب کے درمیان رکھ دی۔

"بلاتکلف نوش فرمایئے۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "یہ دس سیر لڈو ہیں۔ پانچ چھ کم ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

"اب دیکھ لو۔" غوری صاحب شبانہ سے بولے۔ "میں نے ایک لفظ نہیں کہا ہے۔ یہ خود ہی دعوت دے رہے ہیں۔"

شبانہ نے کھسیا کر منہ دوسری طرف کر لیا۔

"کہاں جا رہے ہو برخوردار۔" غوری صاحب نوجوان کی طرف متوجہ ہوئے۔

"میرا سفر تو بڑا لمبا ہے۔ دولت آباد تک جا رہا ہوں۔"

"اچھا! ہم لوگ تو تمہارے حساب میں مرشد آباد جائیں گے۔

نام کیا ہے تمہارا۔"

"مجھے قربان علی کہتے ہیں۔ اور آپ کا اسم گرامی کیا ہے؟"

"یہ ناچیز محمد خاں غوری کہلاتا ہے۔" غوری صاحب نے جواب دیا۔ "تو کیا سچ مچ کھا لوں تمہارے حساب میں۔"

"ہاں۔ ہاں۔ لیجئے نا۔" نوجوان نے ٹوکری پر جھکتے ہوئے رومال کا ایک کونہ اٹھا دیا۔ "مرشد آباد میں آپ کس جگہ جائیں گے۔؟"

"کچہری روڈ پر ٹھیکیدار وزیر احمد خاں کے گھر۔" غوری صاحب نے بلاتکلف ٹوکری سے ایک لڈو نکالا لیکن انکھیوں سے شبانہ کی طرف دیکھا اور دوسرے لمحہ لڈو ان کے منہ میں تھا۔

ٹرین کو ایک ہلکا سا جھٹکا لگا اور وہ آہستہ آہستہ رینگنے لگی۔

"سبحان اللہ۔" غوری صاحب لڈو بھرے ہوئے منہ سے بولے "قند ہے کے لڈوؤں کی کیا بات ہے۔ پیٹ بھر جائے نیت نہیں بھرتی"

"اور لے لیجئے۔" قربان علی نے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے آپ کو مٹھائی بہت پسند ہے۔"

"بس زندگی میں دو ہی تو شوق ہیں۔" غوری صاحب نے ٹوکری سے دو لڈو ایک ساتھ نکالتے ہوئے جواب دیا۔ "ایک ناول پڑھنا اور دوسرے چاکلیٹ کھانا۔ گھر سے تین پیکیٹ لے کر چلا تھا تمہارے حساب میں۔ یہاں پہنچتے پہنچتے سب ختم ہو گئے۔"

"ناول کون سے پڑھتے ہیں آپ۔؟"

"ہر قسم کے۔" غوری صاحب جلدی جلدی لڈو نگلتے ہوئے بولے "رومانی، تاریخی، اصلاحی، جاسوسی۔ جو بھی ہاتھ لگ جائے بغیر ختم کیے نہیں چھوڑتا۔ یوں جاسوسی ناول زیادہ پسند کرتا ہوں۔"

وہ دونوں لڈو بھی بہت جلد پیٹ کو پیارے ہو گئے مگر غوری صاحب کی نظریں اب بھی ٹوکری پر جمی ہوئی تھیں۔

"آپ تو تکلف کر رہے ہیں۔ اور لیجئے نا۔"

"نہیں بھئی بس۔ تم دوستوں کے لئے لے جا رہے ہو وہاں کم پڑ جائیں گے تمہارے حساب میں۔" غوری صاحب نے اوپری دل سے کہا

"فکر نہ کریں ہفتہ عشرہ میں والد صاحب بھی آنے والے ہیں۔ انہیں لکھ دوں گا وہ اور لیتے آئیں گے۔"

"اب تم مجبور کر رہے ہو تو لینا ہی پڑے گا۔" غوری صاحب جیسے بادل ناخواستہ بولے۔ "مگر دو سے زیادہ نہیں لوں گا۔"

دو لڈو اور نکال کر غوری صاحب یوں بیٹھ گئے جیسے واقعی دل بھر گیا ہو۔ ناول جو اٹھا کر کے برتھ پر رکھ دیا گیا تھا پھر اٹھا لیا گیا اور مطالعہ شروع ہو گیا۔ ٹرین پوری رفتار سے بھاگی چلی جا رہی تھی۔

تقریباً دس منٹ کے بعد قربان علی اپنی جگہ سے اٹھ کر باتھ روم کی طرف چلا۔ غوری صاحب نے ناول پڑھتے چشمے کے پیچھے سے جو گھور کر دیکھا۔ شبانہ کھڑکی سے سر نکالے باہر دیکھ رہی تھی۔ غوری صاحب نے اپنا تھیلا جس میں وہ چاکلیٹ کے پیکٹ، دو چار کتابیں، پانوں

کی ڈبیا اور بٹوہ اور اسی طرح کی متفرق چیزیں رکھتے تھے، ہاتھ بڑھا کر قریب کر لیا۔ قربان علی نے باتھ روم میں داخل ہو کر دروازہ بند کیا اور غوری صاحب کا اٹھا ہاتھ صفائی سے ٹوکری کی طرف رینگ گیا۔ ایک ایک دو دو کر کے دس پندرہ لڈو ٹوکری سے تھیلے میں منتقل ہو گئے۔

قربان علی واپس آیا تو غوری صاحب بڑے انہماک سے ناول پڑھ رہے تھے۔

گل میر کی سرحدی کسٹم چوکی کے پلیٹ فارم پر ٹہلتے ہوئے انجم نے دور سے دھواں اڑاتے ہوئے انجن کو آؤٹر سگنل پار کرتے دیکھا اور اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔ تین بج کر دس منٹ ہوئے تھے۔ شکر ہے کہ آج ٹرین رائٹ ٹائم تھی۔ ورنہ کبھی کبھی تو آنند پور والے شام کے چھ بجا دیا کرتے تھے۔ اگر ساڑھے تین بجے بھی چیکنگ شروع ہو جائے تو انجم کو امید تھی کہ وہ شام کا پہلا شو دیکھنے کے لئے وہ اور سعید چھ بجے تک ضرور فارغ ہو جائیں گے۔

دیو پیکر انجن نے پلیٹ فارم کی طرف بڑھتے ہوئے ایک تیز سیٹی سے اپنی آمد کا اعلان کیا۔ انجم وہیں کھڑا رہا۔ وہ جس میز پر سعید کے ساتھ چیکنگ کرتا تھا زیادہ دور نہیں تھی اور ابھی تو

مسافروں کو اترنا تھا۔ اپنے پاسپورٹ اور ویزا جمع کرانا تھے
پرچے لے کر سامان اٹھوا کر متعلقہ میز کے سامنے رکھنا تھا۔ پندرہ بیس
منٹ تو اس کارروائی میں لگ ہی جاتے ہیں۔ ڈبے ایک ایک
کر کے انجم کے سامنے سے گزرتے رہے۔ آج کچھ زیادہ رش نہیں
ہے۔ اس نے دل میں کہا۔ اور واپس ہونے کے لیے گھوم رہا تھا کہ
اچانک اس کی نظر آخری کمپارٹمنٹ کی ایک کھڑکی پر پڑی۔ کوئی بے حد
حسین لڑکی کھڑکی سے باہر منہ نکالے جھانک رہی تھی۔ انجم نے دیکھا
اور دیکھتا ہی رہ گیا۔ اتنی دلکش اور جاذب نگاہ لڑکی اس نے اب
تک کوئی نہیں دیکھی تھی۔ ڈبہ قریب سے گزرا۔ لڑکی نے اپنی بڑی
بڑی نیلی جھیل جیسی آنکھوں سے انجم کی طرف دیکھا۔ ایک لمحے کے لیے
دونوں کی نظریں ملیں۔ انجم کو ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی بجلی سی کوند
ہوئی اس کی نگاہوں کو خیرہ کر گئی ہو۔ ڈبہ دور چلا گیا مگر لڑکی اب بھی
گھوم کر اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

کمپارٹمنٹ پلیٹ فارم پر بنی ہوئی دیوار کے پیچھے غائب
تو بھی انجم ٹکٹکی باندھے اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے کچھ دیر پہلے کا ح
فضا میں مجسم ہو کر رہ گیا ہو۔ پتہ نہیں وہ کتنی دیر تک یونہی کھڑا ر
کہ مسافروں اور قلیوں کے ملے جلے شور نے اسے چونکا دیا۔ پ
کا اتنا حصہ جس میں پوری ٹرین بہ آسانی کھڑی ہو سکتی تھی جھ
دیواروں اور لوہے کے جنگلوں سے محفوظ کر دیا گیا تھا۔ انجم

پر کودے بغیر پلیٹ فارم کے اس حصے کی طرف نہیں جا سکتا تھا جہاں
ٹرین کھڑی تھی۔ دوسرا راستہ لوہے کے گیٹ سے تھا مگر اس طرح
انجم کو چیکنگ شیڈ سے گزرنا پڑتا جہاں سعید اس کے انتظار میں بور
ہو رہا ہوگا۔ انجم نے جھکتے ہوئے ایک ہاتھ پلیٹ فارم پر رکھا اور
نیچے کود گیا۔

دوسری طرف پلیٹ فارم پر ٹرین کے تمام مسافر نہ صرف اتر
چکے تھے بلکہ ان میں سے بہت سے قلیوں کے سر پر اپنا اپنا سامان
رکھ کر چیکنگ شیڈ کی طرف بھی چل دیئے تھے۔ انجم کے لیے یہ اندازہ
لگانا تقریباً ناممکن تھا کہ آخری ڈبے سے اترنے والے لوگ کون سے
ہیں۔ اس نے ایک سرے سے دوسرے سرے تک تمام مسافروں
کو گھور گھور کر دیکھا۔ خواتین میں بے پردہ بھی تھیں اور برقعہ پوش بھی مگر وہ
چہرہ جس کی کشش اسے یہاں کھینچ لائی تھی ان میں کہیں نظر نہیں آئی تھی
پانچ منٹ کی ناکام تلاش کے بعد وہ اندرونی گیٹ سے گزرتا ہوا اپنی
میز کی طرف بڑھ گیا۔

سعید حسب عادت منہ میں ایک طرف سگریٹ دبائے بڑے
بور انداز میں میز کے کنارے پر بیٹھا تھا۔ ابھی اس میز پر کوئی مسافر نہیں
آیا تھا۔

"میں سب دیکھ رہا تھا مولانا۔" سعید نے سگریٹ کے اٹھتے ہوئے
دھوئیں میں آنکھیں چندھیاتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ پلیٹ فارم پر کیا کرنے

گئے تھے۔"

"ایک شناسا سا چہرہ دکھائی دیا تھا۔" انجم نے اٹھتے ہوئے جواب دیا۔ "میرے ایک عزیز آنے والے ہیں۔ میں سمجھا وہ ہی آ گئے۔ دیکھنے گیا تھا۔"

"عزیز یا عزیزہ؟" سعید نے شوخی سے پوچھا۔

"معاف کیجئے میں آپ کی طرح لڑکیوں کے پیچھے دم ہلاتا نہیں پھرتا۔"

"صاحبزادے! دم ہلانا بھی ایک آرٹ ہے۔" سعید بولا۔ "کچھ لوگ دم ہلاتے ہیں فقیر کے ہاتھ کی طرح۔ جیسے خیرات مانگ رہے ہوں اور کچھ لوگ مثال کے طور پر تمہارا یہ خادم اس طرح دم ہلاتے ہیں جیسے سرکس میں رنگ ماسٹر چابک گھماتا ہے۔ ہلکی سی جنبش پر بڑی بڑی شیرنیاں بچے کی طرح کانپنے لگتی ہیں۔"

"گویا تمہارا دم دار جانور ہونا بہرحال طے ہے۔" انجم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ اور پھر ایک چشمہ زدہ بزرگ کو مع ایک برقعہ پوش خاتون کے اپنی میز کی طرف آتے ہوئے دیکھ کر بولا۔ "ہوشیار ایک شیرنی اپنے رنگ ماسٹر کے ساتھ آ رہی ہے۔"

"مجھے کٹہرے میں بند شیرنیوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" سعید نے زیرلب آہستہ سے کہا۔

"ٹیبل نمبر پانچ یہ ہی ہے؟" غوری صاحب نے قریب آتے ہوئے پوچھا۔

"جی ہاں۔" سعید نے ہاتھ بڑھا کر ان سے پاسپورٹ اور دیگ

لے لیا۔ قلی نے دونوں ہولڈال، ٹرنک اور سوٹ کیس میز کے پاس رکھ دیے۔

پہلے دونوں ٹرنک اور پھر ہولڈال کھلوا کر دیکھے گئے۔

"اس میں کیا ہے؟" سعید نے ٹوکری کی طرف اشارہ کیا۔ انجم ہولڈال پر چاک سے دستخط کر رہا تھا۔

"قند ملے کے لڈو ہیں۔" غوری صاحب نے بتایا۔

"اتنے؟" سعید نے کچھ تعجب سے پوچھا۔

"یہ تو کچھ بھی نہیں ہیں برخوردار۔" غوری صاحب نے جواب دیا۔ "گھر سے ایسی ایسی تین ٹوکریاں لے کر چلا تھا تمہارے حساب میں۔"

"اچھا۔" سعید نے حیرت ظاہر کی۔ "باقی دو کہاں گئیں؟"

"راستے میں خرچ ہو گئیں۔"

"یہ تو بڑی زیادتی ہے قبلہ۔" سعید نے کہا۔ "ہرچند میری آپ سے پہلے کی کوئی واقفیت نہیں لیکن جب آپ تین ٹوکری قند ملے کے لڈو میرے حساب میں لائے تھے تو دو ٹوکری خرچ کیوں کر لئے۔ بہرحال ایک ٹوکری ہی سہی۔ تو پھر اجازت ہے۔"

اس نے ٹوکری اٹھا کر اپنی طرف رکھنا چاہی۔

"یہ کیا کر رہے ہو؟" غوری صاحب نے ٹوکری پکڑ لی۔ "لڈو کہاں لئے جا رہے ہو تمہارے حساب میں۔"

"جی ہاں اپنے حساب میں ہی لئے جا رہا ہوں۔"

"برخوردار تمہارے حساب میں میرا تکیہ کلام ہے۔" غوری صاحب نے جواب دیا۔ "اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ میں اپنے شوق کی ایک چیز لاؤں اور تم اس پر اپنی نیت خراب کرنے لگو تمہارے حساب میں۔"

"لاحول ولاقوۃ۔" سعید نے برا سا منہ بناتے ہوئے ٹوکری چھوڑ دی

انجم نے ایک قہقہہ لگایا۔

"یوں ایک آدھ لڈو کھانا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا تمہارے حساب میں۔" غوری صاحب نے ٹوکری اپنے قبضہ میں کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کا تکیہ کلام بھی خوب ہے آپ کے سر پر۔" مجھے بھی مٹھائی کا بہت شوق ہے۔ اس وقت آپ نہ روکتے تو وہ بڑھ بڑھ کر ہاتھ مارتا آپ کے سر پر کہ سارے لڈوؤں کا صفایا ہو جاتا۔"

"میرا مذاق اڑا رہے ہو۔" غوری صاحب نے خفگی سے کہا۔

"لاحول ولاقوۃ آپ کے سر پر۔" سعید نے جلدی سے کانوں کو ہاتھ لگایا۔ "میری یہ مجال کہ آپ جیسے بزرگوں کا مذاق اڑاؤں۔"

"پھر یہ آپ کے سر پر کیا ہے تمہارے حساب میں۔" غوری صاحب بڑے غصہ میں بولے۔

"قبلہ یہ میرا تکیہ کلام ہے۔" سعید نے بڑی سادگی سے جواب دیا "کیا بتاؤں بہت چھوڑنا چاہتا ہوں۔ مگر آپ جانتے ہیں کہ جب تکیہ کلام کی عادت پڑ جائے تو چھوٹنا مشکل ہے۔ بہر حال جب آپ نے لڈو کھا

کی دعوت دی ہے تو میں ضرور منہ میٹھا کروں گا آپ کے سر پر۔"

اس نے ٹوکری میں ہاتھ ڈال کر ادھر ادھر ٹٹولا اور نیچے سے دو لڈو نکال لئے۔ شبانہ ایک طرف خاموش کھڑی ہوئی تھی۔ انجم، سعید کے اس فی البدیہہ تکیہ کلام پر بڑی مشکل سے ہنسی ضبط کرتے ہوئے خود کو سنجیدہ ظاہر کرنے کی کوشش میں مصروف تھا۔

"لو انجم بھائی ایک لڈو تم بھی کھاؤ۔" سعید نے ایک لڈو اسکی طرف بڑھا دیا۔

لڈو خاصے بڑے تھے۔ کم سے کم چھٹانک بھر کا ایک ضرور ہوگا سعید نے آدھا لڈو دانتوں سے توڑا۔ اور ایک ہی بار منہ چلایا ہوگا کہ کچھ اس طرح کی آواز نکلی جیسے دانتوں کے نیچے کنکر وغیرہ آجائے اس کے چہرے پر حیرت کے تاثرات ظاہر ہوئے جلدی سے اس نے کھایا ہوا لڈو ہاتھ میں اگل دیا۔ ایک لمحہ کے لئے اسے... دیکھتا رہا۔ چند قدم کے فاصلے پر پانی کا نلکا لگا ہوا تھا اس نے نلکے سے ہاتھ دھویا اور جب واپس لوٹا تو اس کے ہاتھ میں ڈھائی تولہ کا ایک سنہری ڈھیلا سا چمک رہا تھا۔

"کیوں قبلہ یہ کیا ہے آپ کے سر پر۔" اس نے بڑے طنزیہ لہجہ میں سونے کا ڈھیلا دکھاتے ہوئے پوچھا۔ اتنی دیر میں انجم بھی اپنے لڈو کو توڑ چکا تھا۔ اور اسی جسامت کا ایک اور ڈھیلا اس میں بھی رکھا ہوا تھا۔ غوری صاحب اتنے بیوقوف نہیں تھے

کہ انہیں پہچان نہ سکے۔ وہ بڑی حیرت زدہ کیفیت میں آنکھیں پھاڑے سونے کے ڈھیلوں کو دیکھ رہے تھے۔

"میرے خیال میں یہاں بھیڑ جمع کرنے کے بجائے ان لوگوں کو کمرے میں لے جایا جائے۔" انجم نے آہستہ سے کہا۔

سعید نے اثبات میں سر ہلایا اور ایک قلی کو سامان اٹھانے کا اشارہ کیا۔ مشتبہ مسافروں کی چیکنگ کے لئے تین چار چھوٹے چھوٹے کمرے علیحدہ بنے ہوئے تھے۔ غوری صاحب اور شبانہ ڈری ڈری سی حالت میں قلی کے پیچھے چلتے ہوئے ایک کمرے میں داخل ہوئے۔

سامان رکھوا کر سعید نے قلی کو باہر بھیج دیا۔

"محترم صورت سے تو آپ بڑے شریف دکھائی دے رہے ہیں۔" انجم نے کہا۔ "سچ بتائیے اور کتنا سونا آپ نے کہاں کہاں چھپا رکھا ہے۔"

غوری صاحب خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے پھٹی پھٹی نظروں سے سعید کو دیکھ رہے تھے جس نے پوری ٹوکری کے لڈو فرش پر الٹ دیئے تھے اور انہیں توڑ توڑ کر سونے کے ڈھیلے نکال رہا تھا۔ کچھ ہی دیر میں چالیس کے قریب ڈھیلے نکالے جا چکے تھے۔ ایک مرتبہ پھر تمام سامان کی چیکنگ کی گئی۔ ہولڈال جگہ جگہ سے ادھیڑ کر دیکھے گئے۔ ٹرنک میں لگی ہوئی پٹیاں کھول دی گئیں۔ سوٹ کیس کی باری بھی آئی اور اس کے نیچے لگی ہوئی دو لکڑیوں سے سونے کی

دو بھاری سلاخیں جن میں سے ہر ایک کا وزن پاؤ بھر کے قریب تھا۔ برآمد کی گئیں۔

"خدا کی قسم برخوردار۔" غوری صاحب کہہ رہے تھے۔ "نہ یہ ٹوکری ہماری ہے اور نہ یہ سوٹ کیس۔ یہ ٹرین میں قربان علی نامی ایک نوجوان نے ہمیں دی تھیں تمہارے حساب میں۔ کہہ رہا تھا کہ میرے پاس سامان زیادہ ہے اور اکیلا سفر کر رہا ہوں۔ یہاں قلی موقع پا کر چیزیں غائب کر دیا کرتے ہیں۔ یہ ٹوکری اور سوٹ کیس آپ سنبھال لیں تو بڑا ممنون ہوں گا۔ مرشد آباد کے اسٹیشن پر لے لوں گا۔"

"مگر آپ تو کہہ رہے تھے کہ لڈوؤں کی تین ٹوکریاں گھر سے لیکر چلے تھے۔" انجم نے سخت لہجہ میں کہا۔

"وہ میں نے یونہی جھوٹ کہہ دیا تھا تمہارے حساب میں۔" غوری صاحب سر جھکا کر بولے۔

"کسی لیڈی انسپکٹر کو بلاؤ۔ ان محترمہ کی تلاشی بھی لینا ضروری ہے" انجم نے سعید سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

شبانہ جو ایک کرسی پر بیٹھی زار و قطار رو رہی تھی جلدی سے گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

"خدا کے لئے رحم کیجئے انسپکٹر صاحب۔" اس نے انجم کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔ "ہم شریف خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان دو چیزوں کے علاوہ ہمارے پاس کوئی خلاف قانون چیز نہیں ہے۔"

میرے ابو کو مٹھائی بہت پسند ہے۔ ہر وقت چاکلیٹ کھاتے
رہتے ہیں۔ سفر کے دوران چاکلیٹ کا پیکٹ ختم ہوگیا تھا لہٰذا وہ
کے ریلوے میں انھوں نے اس شخص سے ٹوکری لے لی۔ خبر گو وہ بے
کہ ہمیں بالکل نہیں معلوم تھا کہ وہ اس طرح سونا اسمگل کرکے لئے
جا رہا ہے۔

نجم نے وہ خوبصورت نازک ہاتھ اس بے بسی کے انداز میں اپنے سامنے پھیلے دیکھے۔ عبرانی ہونے کے باوجود شبنم کی آواز کسی دلکش مرثیے نغمے کی طرح اس کے کانوں میں رس گھولتی چلی گئی۔ اسے شبہ ہوا کہ جیسے چاند کو اس نے کمپارٹمنٹ کی کھڑکی سے طلوع ہوتے دیکھا تھا وہ کہیں برقعہ کی سیاہ بدلی میں چھپا ہوا اس کے سامنے تو موجود نہیں ہے۔

"مجھے افسوس ہے خاتون۔" وہ نرم لہجہ میں بولا۔ "مگر ان حالات میں آپ کی اور آپ کے والد کی تلاشی لینا ہمارے لئے ناگزیر ہے اس کے بعد اگر آپ لوگ یہ ثابت کر دیں کہ یہ دو چیزیں واقعی کسی دوسرے شخص نے دھوکے سے آپ کے سپرد کر دی تھیں تب آپ کو سرحد پار کرنے کی اجازت دے دی جائے گی ورنہ دوسری صورت میں۔۔۔"

"یقین کرو برخوردار ہم بالکل بے قصور ہیں تمہارے حساب میں۔"
غوری صاحب جلدی سے بات کاٹتے ہوئے بولے۔ "یہ لڈو اور سوٹ کیس دونوں تم لے لو اور ہمیں چھوڑ دو۔ جب تک زندہ رہیں گے دعائیں

دیتے رہیں گے تمہارے حساب میں۔"

"تو اب جیل جاکر دعائیں دیجئے گا۔" سعید مسکرایا۔

"میں غوری صاحب کو دوسرے کمرے میں لئے جاتا ہوں۔" انجم نے سعید سے کہا۔ "جاتے ہوئے مسز رحمان کو بھیج دوں گا وہ ان کی صاحبزادی کی تلاشی لے لیں گی۔"

وہ غوری صاحب کی طرف متوجہ ہوا۔

"آئیے جناب۔"

اب یہ اتفاق ہی تھا کہ انجم غوری صاحب کو جس کمرے میں لے کر پہنچا وہاں قربان علی کے سامان کی تلاشی لی جا رہی تھی۔ غوری صاحب اسے دیکھتے ہی اچھل پڑے۔

"برخوردار انسپکٹر صاحب۔" وہ جوش سے انجم کا بازو پکڑ کر بولے "یہی ہے اور یہ معاش قربان علی تمہارے حساب میں۔"

قربان علی نے چونک کر غوری صاحب کی طرف دیکھا اور اس کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ انسپکٹر مجید جو اس کے سامان کی تلاشی لے رہا تھا اب تک کوئی مشتبہ چیز برآمد نہیں کر سکا تھا۔

"کیا معاملہ ہے مجید صاحب؟" انجم نے پوچھا۔

"ہمیں بھی ابھی یہ خفیہ اطلاع ملی تھی کہ قربان علی نام کا ایک شخص آج سونے کی بھاری مقدار اسمگل کرکے لئے جا رہا ہے۔" مجید نے جواب دیا۔ "میں ان حضرت کو پکڑ کر یہاں لے آیا مگر ابھی تک

تو کوئی قابلِ اعتراض چیز ملی نہیں ہے یہ صاحب کیا کہہ رہے ہیں؟"

"ایسا معلوم ہوتا ہے۔" انجم نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔ "کہ اس شخص نے وہ چیزیں جن میں سونا چھپا ہوا تھا مختلف مسافروں میں کسی نہ کسی بہانے سے تقسیم کر دی ہیں کہ دہشت آباد کے اسٹیشن پر واپس لے لے گا میں سمجھتا ہوں اگر اس سلسلے میں دوسرے لوگوں سے معلوم کیا جائے تو ثبوت مل جائے گا اور مال بھی۔"

اور واقعی تین مسافر ایسے مل گئے جنہیں قربان علی نے مختلف اشیاء سپرد کر دی تھیں سونے کی مجموعی مقدار دس سیر سے بھی زیادہ، ثابت ہوئی۔ قربان علی کو فوراً حراست میں لے کر پولیس ہیڈ کوارٹر بھیج دیا گیا تمام مسافروں کے بیانات لیے گئے انہیں ان کے پتے وغیرہ بھی نوٹ کئے گئے تاکہ بعد میں اگر ضرورت ہو تو عدالت میں گواہی کے لئے بلائے جا سکیں۔ خدا خدا کر کے غوری صاحب کی بھی جان چھوٹی۔ گرچہ قربان علی نے انہیں صرف لڈوؤں کی ٹوکری ہی دی تھی مگر جب سوٹ کیس سے خود ان کا سونا بھی برآمد ہو گیا تو غوری صاحب نے اسے بھی قربان علی کے سر منڈھنے ہی میں اپنی خیریت سمجھی تھی۔

"خدا کا شکر ادا کیجئے قبلہ۔" سعید نے ان کا پاسپورٹ اور ویزا واپس کرتے ہوئے کہا۔ "کہ وہ اسمگلر پکڑا گیا آپ کے سر پر ورنہ اس وقت گھر کے بجائے آپ جیل جانے کی تیاری کر رہے ہوتے۔"

"سچ کہتے ہو برخوردار۔" غوری صاحب نے ایک ٹھنڈی سانس لی

"کہ وہ تجربہ زندگی بھر یاد رہے گا تمہارے حساب میں۔"

وہ شبانہ کی طرف گھومے۔ "چلو بیٹی! یہ پریشانی بھی قسمت میں لکھی تھی۔" انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور آگے بڑھ گئے۔ قلی سامان لے کر پہلے ہی جا چکا تھا۔

"میں ابھی آ رہا ہوں۔" انجم نے سعید سے کہا اور پلیٹ فارم کی طرف چل دیا۔ اس کی نظریں شبانہ کے تعاقب میں لگی ہوئی تھیں جو ایک ڈبے میں چڑھ رہی تھی۔ اس کے پیچھے غوری صاحب اور شبانہ بھی اندر آ گئے۔ ایک منٹ بعد انجم نے کھڑکی کے قریب شبانہ اور غوری صاحب کو بیٹھے دیکھا۔ یہ محض اتفاق تھا کہ بیٹھتے وقت شبانہ نے پہلے کی طرح پھر نقاب الٹ دیا اور وہ اسے دیکھ نہ سکا کہ اس نے پہلے بھی اسی کو دیکھا تھا مگر شبانہ تو نقاب کے اندر ہی بیٹھی رہی۔ انجم ڈبے کے سامنے ادھر سے ادھر ٹہلتا رہا۔ تمام مسافر ڈبے میں سوار ہو چکے تھے۔ ٹرین دہشت آباد کے لئے روانہ ہونے والی تھی۔ جو ایک چھوٹا سا شہر تھا اور کراچی سے صرف دس میل کے فاصلے پر تھا۔ روزانہ سے ملازمت پیشہ لوگ وہاں سے آ کر دوسری ٹرینوں میں سفر کیا کرتے تھے۔ ناگہاں انجم نے شبانہ کو اپنی سیٹ سے اٹھتے دیکھا۔ پتہ نہیں وہ کوئی چیز نکالنے اٹھی تھی یا ڈبے سے باہر جانے کے لئے۔ مگر پھر وہ دوبارہ بیٹھ گئی۔ غوری صاحب اس سے مخاطب ہو کر کچھ کہنے لگے اور پھر اچانک ہی باتیں کرتے ہوئے

شبانہ نے برقعہ کی نقاب الٹ دی۔

انجم کو ایک دھکا سا لگا۔ وہ گھبرا کر پیچھے ہٹ۔ یہ بدصورت چہرہ چھوٹی چھوٹی گول آنکھیں۔ پھولی ہوئی ناک۔ موٹے موٹے اور نیچے لٹکے ہوئے ہونٹ۔ لاحول ولاقوۃ۔ یہ وہ تو ہرگز نہیں تھی۔ انجم پچھتانے لگا۔ … دیر وہ یہاں وقت ضائع کرتا۔ یا۔ دوسرے ڈبے دیکھ لیتا تو شاید وہ حسین صورت پھر نظر آجاتی۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا مگر اسی لمحہ انجن نے تیز وسل دی اور ایک جھٹکا کھا کر ٹرین حرکت میں آگئی۔

"اب کیا جاگ رہے ہو صاحبزادے۔" سعید نے پیچھے سے آکر … کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ "لونڈیا تو نکل گئی۔"

"لاحول ولاقوۃ" انجم نے منہ بنایا۔ "کیا شستہ الفاظ بولتے ہو …

آج کل کوئی اور شاید لفظ نہیں ملتا تھا۔"

"اوہ بہت برا لگ گیا حضور کو" سعید نے ہنستے ہوئے …

"کچھ ادھر سے بھی بہت افزائی ہوئی تھی یا اپنے ہی گھوڑے پر کود رہے ہو …"

"کیا مطلب۔؟"

"اب مطلب بھی تمہارے حساب میں مجھے ہی بتانا ہوگا" سعید … نے ایک ہلکا قہقہہ لگایا۔ "یار بڑے میاں کا تکیہ کلام بھی خوب … مگر میں نے بھی وہ جواب دیا کہ شرمندہ ہو کر بغلیں جھانکنے لگے۔ وہ …

… صورت شکل کی کیسی ہے۔ میرے سامنے تو نقاب ہی ڈالے رکھی تھی۔ مگر تم نے تو خوب نرخ … ہوگا۔"

"تمہارا مطلب اگر شبانہ سے ہے" انجم نے ایک تلخ مسکراہٹ سے جواب دیا۔ "تو کسی غلط فہمی میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ … نام حسینہ ہے صورت تو بڑی خراب ہے۔"

"اب یہ باریوں تو ٹرخ دے رہے ہو۔ بدصورت ہوتی تو تم ضرور … گئے تھے میرا تو خیال ہے تم پہلے بھی سے ہی دیکھ کر آئے تھے۔"

"اسے نہیں لیکن اور دیکھا تھا۔" انجم نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر … جیسے نگاہوں کے سامنے کوئی سی تڑپ گئی۔

"… " سعید نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔ "پھر کیا ہوا؟"

"پتہ نہیں ڈبہ آگے نکل گیا۔" انجم نے جواب دیا۔

"تو تم نے اسے تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی۔"

"کی تھی۔ پوری ٹرین کا ایک ایک کمپارٹمنٹ جھانکا۔ مگر وہ کہیں … نہیں آئی۔ شبانہ کی آواز سنی تو خیال ہوا کہ شاید یہ وہی ہے۔ ایک بار دیکھنے کی امید تھی۔ مگر جب اس نے نقاب الٹا تو … دل مالش کرنے لگا۔"

"کوئی بات نہیں دوست۔" سعید نے جواب دیا۔ "لڑکی اور بس نکل … تو بھی افسوس نہیں کرنا چاہیے۔ دوسری ابھی آتی ہوگی۔"

"تم مذاق کر رہے ہو اور …"

"اور رضا بآ آپ کی جان پربنی ہوئی ہے۔" سعید نے بات کا رُخ
اور اب لقینا تیرے پہ ڈگری جنگل میں نکل جاؤ گے۔ یا میرے پتا ہو
تم آدمی ہو یا جنوں۔ معلوم ہے ساڑھے پانچ بج رہے ہیں۔
منٹ میں اسٹاف بس جانے والی ہے۔ آج پکچر نہیں چلنا ہے۔"

"آج پکچر کا پروگرام ملتوی کر دو۔ مجھے موڈ نہیں ہے۔"
کی طرف چلتے ہوئے کہا۔

"تو پھر کہاں جاؤ گے؟"

"کہیں نہیں سیدھا گھر جاؤں گا۔"

"گھر جا کر کیا کرو گے؟" سعید نے کہا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا
گھر میں تمہارا دل کیسے لگتا ہے؟"

"کتابیں انسان کی بہترین رفیق تنہائی ہوتی ہیں۔"

"پھر تو ضرور بہت غلط قسم کی کتابیں پڑھتے ہو گے۔" سعید
اور "تنہائی کی ضرورت صرف اسی قسم کی کتابوں کے لئے ہوتی
میں پوچھتا ہوں آخر تم شادی کیوں نہیں کر لیتے؟"

"ابھی اپنا گذر ہی نہیں ہوتا بیوی کو کہاں سے کھلاؤں گا۔"
جو سب رپاٹ اور تمہاری طرح ہزار من نخل۔ کا میں تو قائل نہیں
"اذیب فی مولوی کیوں میری۔ والدی کے پیچھے پڑ ہے۔" سعید
"آج کیا۔ یہ کسٹم پوسٹ ہے اور بڑے صاحب تمہارے
وہاں پر نماز پڑھنے کے لئے ہر وقت با وضو رہتے ہیں۔ کسی

سے یہ بات جڑ دی تو میر کباڑ ہو جائے گا۔"

"تو پھر تم ہی بتاؤ ڈھائی سو کی تنخواہ میں آج کل کیا ہو سکتا ہے؟"
اس کا مطلب یہ کہ ساری عمر کنوارے رہنے کا ارادہ ہے۔ موجودہ
گریڈ میں تو ریٹائرمنٹ کے وقت تک بھی ساڑھے تین سے زیادہ
نہیں مل سکتے۔"

"سی لئے تو میں ایم کام کی تیاری کر رہا ہوں۔"

"تو کیا ایم کام کرنے کے بعد ہی شادی کرو گے۔"

"نہیں ایسی کوئی قسم تو نہیں کھائی ہے۔" انجم نے جواب دیا۔
راستہ میاں نے سی پی آر حاصل پر جیسی ہزار کا انعام دلوا دیا تو
پہلے بھی ہو سکتی ہے۔"

"یار یہ تم پیسے پر نذر رکھتے کہاں ہو؟" چانک سعید نے پوچھا۔
چوری کا ارادہ ہے؟"

"چوری آپ کرتے ہوں گے۔" سعید نے کہا۔ "ہم تو قرض حسنہ لیتے
اور جب ہاتھ میں تنخواہ آتی ہے تو پھر چپکے سے واپس کر دیتے ہیں
سے آخری دنوں میں کئی مرتبہ گھر جا کر تلاشی لے چکا ہوں کہ
دس بیس روپے کے ہاتھ قرض لے لوں مگر پتہ نہیں کس کونے
میں چھپا کر رکھتے ہو کبھی ہاتھ ہی نہیں آتے۔"
انجم ہنسنے لگا۔

"تو یہ کیسے ہو الف میں انتیس تاریخ کو تو کوئی آکر

جم جاتے ہو اور جانے کا نام نہیں لیتے تو میری کی وجہ یہ تھی۔" وہ جو
بالکل یہی وجہ تھی۔ سعید نے شرارت سے سر ہلایا۔ غلط ہے
کہ جناب نہ اپنے پوسٹ میں درستی آنے دیتے تو کہ خدا کی خلقت
پر کلرکی رہے۔"
آفس میں یہ کام ختم کرتے کرتے انجم اور سعید کو مزید پندرہ بیس
منٹ لگ گئے۔ شام بس بھی کچھ دیر سے آئی۔ نتیجہ یہ کہ جب دو
راستہ آباد سے ریلوے اسٹیشن کے بس سے اترے تو سات
بج چکے تھے۔
"آج تو یوں بھی وقت نکل گیا ہے۔" انجم نے گھڑی دیکھی "ختم کرو
کسی اور دن چلیں گے۔"
"شو تو اب بھی مل سکتا ہے مگر جب تمہارا موڈ ہی نہیں ہے تو
کیا کہہ سکتا ہوں۔ وہاں جا کر وہ بور کرو گے۔" سعید نے جواب دیا۔
"اچھا تو پھر خدا حافظ۔ کل ملاقات ہوگی۔" انجم نے قدم آگے
بڑھائے۔ سعید نے جھپٹ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "یعنی پکچر
ختم تو جانے ابھی ختم۔"
"ختم ہو گئی ہیں تو سمجھ رہا تھا کہ آج پیسے بچ گئے مگر پیٹ
کے معاملے میں تمہاری یادداشت حیرت انگیز ہے۔ ایک وقت
کا کھانا بھول سکتے ہو مگر شام کی چائے ناغہ نہیں ہو سکتی۔"
"کھانا" سعید نے پیٹ پر ہاتھ پھیرا۔ "رہا، کی تو میں سوچ رہا

کہ اس وقت مجھے بھوک کیوں لگ رہی ہے۔ آج دوپہر کسی کا ناشتہ دان
غائب کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ سب سالے ہوشیار ہوتے جا رہے ہیں
ملازمی تک تو کوئی بات نہیں تھی مگر اب تالے بھی پڑنا شروع ہو گئے ہیں
دیکھا جائے تو میں دفتر میں سب کا پڑوسی ہوں مگر کیا مجال کوئی
جھوٹے منہ بھی کھانے کے لئے پوچھ لے۔ پھر کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔"
"تم اپنا کھانا لے کر کیوں نہیں آتے؟" انجم نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔
"کوئی ایک دو دن کی بات تو ہے نہیں۔ روز روز مفت خوروں کو کون
برداشت کر سکتا ہے۔"
"چپ جیا کل سے اپنا ناشتہ دان بھی لے آؤں گا۔" سعید نے
خوشامدانہ لہجہ میں کہا۔ "اس وقت تو چائے کے ساتھ دو چار درجن
سموسے کھلا دو۔ بھوک سے جان نکلی جا رہی ہے۔ سچ کہتا ہوں گھر
پہنچتے پہنچتے غشی ہو جاؤں گا اور میرا خون تمہاری گردن پر ہوگا۔"
"صرف ناشتہ دان یا اس میں کھانا بھی ہوگا؟" انجم نے ریسٹورنٹ
کی جانب چلتے ہوئے پوچھا۔
"پہلے ناشتہ دان لانے کی عادت تو پڑ جائے۔ آہستہ آہستہ
کھانا بھی لانے لگوں گا۔" سعید نے بڑے خلوص سے جواب دیا۔
مغرب کردہ ریسٹورنٹ جس میں تقریباً روزانہ دفتر سے واپسی
میں چائے پی جاتی تھی ٹیکسی اسٹینڈ کے قریب ہی واقع تھا۔ انجم اور
سعید آگے بڑھے۔ دیکھا کہ ٹیکسی اسٹینڈ میں ایک ٹیکسی کے گرد کافی

کھیڑ جمع ہے۔

"یہ بھیڑ کیسی لگی ہے؟" سعید نے چلتے چلتے رک کر کہا۔

"ہوگا کچھ۔" انجم نے لاپرواہی سے جواب دیا "تم چپ چاپ چلتے چل رہے ہو یا میں گھر جاؤں۔"

مگر اتنی دیر میں سعید لوگوں کو ہٹاتا ہوا آگے بڑھ چکا تھا۔ مجبوراً انجم کو بھی اس کے پیچھے جانا پڑا۔ دیکھا کہ غوری صاحب اور ٹیکسی ڈرائیور میں کچھ گرما گرمی ہو رہی ہے۔ سامان ایک طرف رکھا ہوا ہے۔ اور اس کے قریب ہی شبانہ حسب معمول چہرے پر برقعہ کی نقاب ڈالے کھڑی ہے۔

"ارے یہ تو اپنے غوری صاحب ہیں آپ کے سسر۔" سعید نے مسکراتے ہوئے انجم کے کہنی ماری۔

غوری صاحب نے بھی ان دونوں کو دیکھ لیا۔ ان کے چہرے پر ایک چمک سی آگئی۔ اپنی بات ادھوری چھوڑ کر وہ ہاتھ پھیلائے ہوئے انجم کی طرف لپکے۔

"الٰہی خیر۔" انجم زیر لب بڑبڑایا۔

"آرے برخوردار انجم سلمہ۔ بھئی خوب ملے تمہارے حساب سے۔" غوری صاحب نے اس پرتپاک انداز میں ہاتھ ملایا جیسے اب تک وہ اسی کے انتظار میں کھڑے تھے۔

"کیا بات ہے قبلہ؟" سعید نے پوچھا۔

"بات کیا ہوتی۔ میں نے یہ ٹیکسی کچہری روڈ پر ٹھیک کی اور وزیر منزل [illegible] کے لیے کرایہ پوچھا تھا تمہارے حساب سے۔" غوری صاحب نے جواب دیا۔

"تو یہ تم آدمی ہے کہ مطلب" ٹیکسی ڈرائیور بات کاٹ کر بولا۔ "کبھی ہمارے حساب میں ہوتا ہے کبھی ان کے حساب میں ہوتا ہے۔ تمہاری باتیں سن سن کر ہمارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔"

"ڈرائیور تم خاموش رہو۔" انجم نے کہا۔

"ارے بابا۔ ہم خاموش رہے گا تو یہ حساب کتاب کا جھگڑا کیسے [illegible] گا۔"

"تب [illegible] ہم دے دیں گے۔ ذرا بات تو سننے دو۔" سعید نے کہا اور غوری صاحب کی طرف متوجہ ہوا "تو آپ نے کچہری روڈ کے لیے ٹیکسی کرایہ پہلے طے کیا تھا۔ آپ کے حساب سے؟"

"میں نے وزیر احمد خان اور برخوردار سہیل سلمہ کو تار بھی دیا تھا۔" غوری صاحب نے بتایا۔ "مگر حسب [illegible] ان دونوں میں سے کوئی بھی اسٹیشن پر نظر نہیں آیا تو ان خان صاحب سے بات کی کہ [illegible] کا کیا لیں گے تمہارے حساب سے۔ انہوں نے بتایا پانچ روپیہ۔ میں نے پوچھا میٹر سے کیوں نہیں چلتے۔ جو کرایہ بنے گا وہ دے دوں گا۔ مگر خان صاحب نہیں مانے۔ بولے میٹر کا بات مت کرو۔ ہم پانچ روپیہ لیگا اور جہاں تم بولتا ہے جائے گا۔ میں نے منظور کر لیا تمہارے حساب سے۔

بدقسمتی یہ ہوئی کہ کچہری روڈ پہ کہیں احمد خان صاحب کے گھر کا
پتہ نہیں چلا۔ اب خان صاحب کے ٹیکسی ڈرائیور نے شور مچا رکھا ہے۔

تم نے کیا بات کی یار ... ہمارا بات بھی سن لو" ٹیکسی
ڈرائیور نے انجم کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ بھائی ہے ہمارا
ٹیکسی کچہری روڈ کے راستے کرایہ پہ آیا ہم اور یہ صاحب ہے تم پانچ روپے
کہتا ہے تو ہم پانچ روپیہ لے لیگا۔ مگر یہ کچہری روڈ پہ کسی نذیر احمد
کا گھر نہیں ملا۔ یہ بولا کہ یہ پتہ جھوٹا ہے کچہری روڈ نہیں تو کچھ پیسہ
لے چلو اپنے حساب میں۔ ہم نے سوچا مسافر آدمی ہے چلو تھوڑا گھما کر
پہنچا تو دفتر بھی اس کا بھائی بند نہیں رہتا تھا پھر یہ بولا ہمیں کچہری کا دوسرا
... ذرا اپنے حساب میں۔ ہم کو غصہ تو بہت آیا مگر سوچا کہ ... آدمی
آدمی ہے مجبور ہو گیا۔ ہوٹل اور دفتر بھی پہنچا دیا مگر ہے ذرا انصاف
کا بات مگر ہم اسے اپنے حساب میں اس سارے شہر میں تو پھرا نہیں
کر سکتا۔ میرا چند روپیہ بنتا ہے۔ چلو پانچ روپیہ ہم اپنے حساب
میں لے لیگا مگر دس روپیہ تو اس بھائی کو اپنے حساب میں لینا چاہئے
کہ نہیں۔ تمہیں ذرا انصاف کا بات کرو نا۔

بات یہ ہے برخوردار۔ کہ ان کا پتہ یہ ہے احمد خان صاحب کا
پتہ لکھا تھا وہ ... خوشی میں کہیں کھو گیا۔ غوری صاحب نے
صفائی پیش کی۔ مجھے کچہری روڈ یاد تھا مگر وہاں جب تمہارے حساب
میں گھر کا پتہ نہیں ملا تو خان صاحب نے بتایا کہ شہر میں کوئی دوسری کچہری

بچی ہے میں نے سوچا غلطی سے کچھ لکھ لیا ہو اور مجھے ہی غلط یاد رہ گیا ہو۔
پچھلی ڈاک کا معاملہ بھی یہ ہی تھا۔ جب کچہری میں پتہ نہیں چلا تو وہاں جا کر
دیکھیں گے۔ سوال یہ ہے کہ خان صاحب نے تو پانچ روپیہ ہی بھیجنے کا
وعدہ کیا تھا اور تو نہیں ایک پیسہ بھی نہیں ملنا چاہئے تمہارے حساب
میں۔ کیونکہ جہاں کہیں جانا تھا وہاں تو کبھی نہیں پہنچے۔

یہ تو بڑی پریشانی ہوئی۔ سعید نے فکرمندی سے کہا۔ یہاں کوئی
اور جان پہچان والا نہیں ہے آپ کے سوا۔

کسی دوسرے واقفیت ہوتی تو ہم سٹیشن واپس کیوں آ جاتے
غوری صاحب نے پریشانی سے جواب دیا۔ اس شہر میں تو ملک
میں سوائے ٹھیکیدار نذیر احمد اور یہاں سٹیشن کے ہوٹل کے کوئی عزیز
رشتہ دار نہیں ہے تمہارے حساب میں۔"

پھر اب کیا کریں گے؟ سعید نے پوچھا۔

یہ تو میں بھی سوچ رہا ہوں۔ غوری صاحب نے کہا۔ جو ہوٹل چلتے
کا سامان ہے اور ساری پونجی کسٹڈی پہ لگ گئی ہوٹل تمہارے حساب میں۔"

جی۔ انجم چونکا۔

اور یہ میرا مطلب تھا برخوردار کہ پہلی کسٹڈی چوکی پر دھوکا
نے سب کچھ چھین لیا۔ غوری صاحب جلدی سے بولے۔ کچھ مروت
نہ ... بس پچاس روپے چھوڑ دیئے تمہارے حساب میں
پانچ روپے فی کس کے چھ روپے کے ... کل میرے کسٹڈی چوکی کے یہاں

تک کے۔ یہ ہو گئے [illegible] ۔ [illegible] اسٹیشن [illegible] کو بھی [illegible]
[illegible] ان خان صاحب کو دے دو۔ تمہارے حساب
میں تو میرے پاس [illegible] روپے کی باقی بچیں گے۔

پھر تو ہوٹل میں بھی نہیں ٹھہر سکتے۔ سعید نے سوچتے ہوئے کہا۔

یہ وزیر احمد خاں کون ہیں آپ کے؟ انجم نے پوچھا۔

سمدھی ہیں میرے۔ غوری صاحب نے جواب دیا۔ ان کے
بیٹے سہیل [illegible] سے میری شبانہ کا [illegible] حساب میں بھائی
وزیر احمد میرے [illegible] دوست ہیں۔ [illegible]
[illegible] تھے۔ میں نے نواب [illegible] ملازمت چھوڑی تو انہوں نے
[illegible] سہیل [illegible] لے کر آئے تھے
[illegible] کر دیا تھا۔ [illegible] حساب

میرے خیال میں یہاں کیوں نہ [illegible] سعید نے اچانک کہا۔
جب تک آپ کے سمدھی [illegible] کا پتہ چلے آپ انجم صاحب
کے گھر [illegible] ۔ یہ بالکل اکیلے رہتے ہیں آپ کے سر پر [illegible] کروں
کا [illegible] وغیرہ کے سلسلے میں بھی کوئی پریشانی نہیں
ہوگی جب [illegible] وزیر احمد خاں صاحب کا پتہ لگ جائے
[illegible] آپ ان کے [illegible] چلے جائیں گے

انجم نے گھور کر سعید کی طرف دیکھا اور سعید نے جلدی سے نظر
دوسری طرف کر لی۔

"تجویز تو معقول ہے۔" غوری صاحب بولے۔ "مگر برخوردار انجم
کو تو کوئی [illegible] نہیں ہے؟"

"انہیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" سعید نے شوخ لہجے میں جواب
دیا۔ [illegible] شکایت ہوتے
ہیں [illegible] ہو گیا ہے آپ کے
[illegible] تو [illegible] کی صحت
بھی بحال ہو جائے گی۔"

"[illegible]"

"جی نہیں [illegible] دوست [illegible] تھے مگر کوئی
[illegible] آپ کے [illegible]

"میں تو [illegible] ٹھیک ہے [illegible] صاحب ڈرائیور کی طرف
[illegible] صاحب [illegible]
مل جائے گا۔"

[illegible] نے
[illegible] کے پیچھے
کے [illegible] میں [illegible] غوری صاحب شبانہ کا ہاتھ پکڑ کر
پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ [illegible] غریب بڑی مشکل میں تھی۔ وہ [illegible]
[illegible] درمیان بات نہیں [illegible] سکتی تھی۔ اول تو [illegible] کے
[illegible] غوری صاحب نے [illegible] بالکل [illegible] تھے

[illegible] تا [illegible] میں وہ [illegible] تھی عمر [illegible]
[illegible] اس نے [illegible] کہ جس طرح میں [illegible]
اسی طرح چلنے دیجیے مگر [illegible] صاحب نہیں مانے۔ ان کا کہنا تھا
[illegible] کا [illegible] بہت برے خیال کا ہے۔ انہوں نے
[illegible] دیکھی تو [illegible] بیٹے سے طلاق دلوا دی [illegible]
[illegible] حبیب [illegible] ویسے بھی وہ غوری صاحب کی [illegible]
سامنے میں [illegible] تھی۔ [illegible] لڑکی غوری صاحب
بہرحال [illegible] کے باپ تھے اور [illegible] باپ انہوں نے ماں کے [illegible]
بعد محض [illegible] کی محبت میں دوسری شادی نہیں کی تھی۔

نجم سعید کو ایک [illegible] لے لیا۔

یہ کیا مصیبت تم نے میرے گلے باندھ دی جب وہ [illegible]

مصیبت [illegible] خیر۔ سعید مسکرایا۔ ذرا سوچو [illegible]

شہر میں کہاں جاتے جب [illegible] بھی خالی ہے۔"

"تو اس نیک کام کے لیے تم نے اپنی خدمات کیوں نہیں پیش [illegible]

"میرا گھر خالی ہوتا تو ضرور یہی کرتا۔ سعید نے جواب دیا
[illegible] تم اتنا گھبرا کیوں رہے ہو۔ میرا خیال ہے وزیر احمد خان صاحب
نے پتا مکان وغیرہ تبدیل کر لیا ہے۔ اخبار میں اشتہار دے دیں [illegible]
آ کر لے جائیں گے۔ غوری صاحب سیدھے سادے [illegible] دل [illegible]
جوان لڑکی ساتھ تھی۔ غلط لوگوں کے ہتھے چڑھ جاتے تو کیا ہوتا۔"

[illegible] حسین ہیں وہ صاحبزادی
[illegible] صورت دیکھتے ہی چھوڑ [illegible] تھا۔"

[illegible] غوری صاحب سے [illegible] کی لڑکی سے
[illegible] صاحب [illegible] تو میری حبیب [illegible]
[illegible]

[illegible] سعید نے جواب دیا اور دلی
[illegible] تم سے [illegible] خدا کی قسمت
[illegible] سے تمہارا [illegible] باندھ
[illegible]

سعید [illegible] دونوں [illegible] سیٹ [illegible] کے
ساتھ [illegible] تھے۔

[illegible] چاہیے [illegible] آپ کے
[illegible] سعید نے [illegible] صاحب سے کہا [illegible] پہنچ کر سب
سے [illegible] گی۔"

[illegible] غوری صاحب سے [illegible] دی۔
[illegible] ساتھ [illegible] بھی تمہارے حساب میں۔"

[illegible] دونوں میں۔ نجم بری طرح بور ہو چکا

تھا۔ غوری صاحب نے بڑی بے تکلفی سے گھر کی ہر چیز کو اپنے تصرف
میں لے لیا تھا۔ خاص طور سے ان کی کتابوں کی الماری کے تو پیچھے پڑ
گئے تھے۔ بات صرف اتنی ہی نہیں تھی کہ کتابیں پڑھنی [illegible]
[illegible] یہ ہوتا تو نجم [illegible] کتابوں کی خیریت کے بارے
میں فکرمند نہ ہوتا۔ غوری صاحب کی عادت تو یہ تھی کہ [illegible]
پڑھ [illegible] ڈال دی۔ ایک بستر پر رہتی تو ایک [illegible]
کی میز پر تیسری [illegible] خانے میں [illegible]
[illegible] گئے تھے اور چوتھی بیت الخلا سے واپس آئے
[illegible] کے ساتھ [illegible] کر دی۔ [illegible] بڑی [illegible] حال
[illegible] کوئی کتاب جگہ سے بے جگہ نجم کی نظر [illegible]
مجبوراً اس نے [illegible] علیحدہ [illegible] شیشے [illegible]
اور غوری صاحب سے [illegible] کہ وہ انہیں ہاتھ نہیں لگائیں گے
کم از کم اس وقت تک جب تک الماری [illegible] نہیں پڑ جاتے۔
اخبار میں اشتہار دوسرے دن ہی دے دیا گیا تھا۔ اس کے
لئے نجم نے اپنی جیب سے رقم خرچ کی۔ [illegible] دن گزر جانے کے
باوجود ابھی تک [illegible] کسی نے کوئی جواب [illegible] تھی۔ ان کے
[illegible] سہیل نے [illegible] کی [illegible] تھی کہ [illegible] بے شک [illegible]
مگر [illegible] نجم کے سامنے آتی تھی۔ [illegible] اس کی
سے نہ صرف [illegible] تھا بلکہ گھر کی وہ بڑی [illegible]

[illegible] شعر پڑھا کرتا تھا۔

[illegible]

[illegible]

مگر [illegible] سکون
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] ہوتی تھی۔
[illegible] جیب
[illegible] میں دوسرا
[illegible]
[illegible] خود
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] نجم نے اس کی طرف غور سے
[illegible]

"کہہ رہے تھے کہ ذرا گلشن [illegible] جا رہے ہیں۔" شبانہ

نے ڈرتے اس کے سامنے بیٹھے ہوئے جواب دیا۔ گلشن

ماموں کی [illegible] ایک بڑی [illegible] تھی [illegible] انجم کے گھر

سے کچھ ہی فاصلے پر [illegible] تھی۔ انجم خود بھی [illegible] تھا۔

"تو تم اس وقت گھر میں اکیلی ہو۔" انجم نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"جی نہیں۔ آپ بھی تو ہیں۔" شبانہ نے ہاتھ چھڑانے کی کو

شش نہیں کی۔

"بیٹھ جاؤ۔" انجم نے کہا اور شبانہ اسی کی کرسی کے ہتھے پر

بیٹھنے لگی۔

"یہاں نہیں۔" انجم نے گھبرا کر دوسری کرسی کی طرف اشارہ کیا

"اس کرسی پر۔"

"میں بھی شاید آپ اپنے پاس بٹھانا چاہتے ہیں۔" شبانہ

دوسری کرسی پر بیٹھ گئی۔

"یہ تم نے کیسے سمجھا؟"

"آپ نے پوچھا تھا نا کہ گھر میں اکیلی ہو۔"

"تو پھر کیا ہوا؟"

"جب کوئی نوجوان کسی لڑکی سے اس قسم کا سوال کرتا ہے

اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ کوئی ایسی بات کرنا چاہتا ہے

جو سب کے سامنے نہیں کر سکتا۔"

بہت ہوشیار معلوم ہوتی ہو۔"

"جی ہاں۔" شبانہ نے گھونگھٹ سے جھانکتے ہوئے [illegible] "ابو

ہمیشہ یہی کہتے ہیں۔ میں سوچ رہی تھی آپ کے [illegible] ہوئے چہرہ

[illegible] تو آپ [illegible] تیسرے [illegible]

[illegible] کی کوشش کرنا چاہیے

تھی [illegible] معلوم ہوتے ہیں [illegible]

[illegible] گھونگھٹ۔"

"[illegible] نہیں۔" انجم [illegible]

[illegible] نہیں [illegible] گھونگھٹ۔ یہ تو بڑی

عجیب [illegible] ہے [illegible]

"کیوں، کیا آپ میرا چہرہ نہیں دیکھنا چاہتے؟" شبانہ

نے بڑی سادگی سے پوچھا۔

"جی نہیں۔" انجم بولا۔ "مجھ میں نظارۂ حسن کی تاب نہیں

رہ سکتی۔"

"تو پھر آپ نے مجھ کو [illegible] کہا ہے؟" شبانہ نے

شرمانے کی کوشش کی۔ "مجھے کیا معلوم نہیں ہے کہ باقاعدہ محبت

سے پہلے [illegible] نہیں کرنا چاہئیں۔"

"تو تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟" انجم نے پوچھا۔

"اگر آپ مجھ سے محبت رکھتے ہیں تو [illegible] کہ میں [illegible] محبت

کرنے کے لئے مجبور ہوں۔" شبانہ بولی۔ "سنا ہے کہ محبت کا جواب
محبت سے نہ دیا جائے تو لوگ مرنے کی دھمکی دینے لگتے ہیں۔"

"مگر تمہاری تو شادی ہو چکی ہے۔"

"شادی نہیں صرف نکاح۔"

"بات تو ایک ہی ہوئی۔"

"ایک کیسے ہوئی۔" شبانہ کسی بچہ کی طرح ٹھنکی۔ "دونوں میں
بہت فرق ہے۔"

"کیا فرق ہے۔؟"

"وہی جو تھیوری اور پریکٹیکل میں ہوتا ہے۔"

"گویا تمہیں سہیل صاحب پسند نہیں ہیں۔" نجم خوش ہو کر
بولا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ شبانہ کو چھیڑنے کی کوشش کرے گا
تو وہ غوری صاحب سے شکایت کرے گی اور غوری صاحب
اپنی جوان بیٹی کی عزت بچانے کے لئے بعد سے جلد رخصت ہو جائیں گے
مگر یہاں تو الٹی آنتیں گلے میں پڑی جا رہی تھیں۔ شبانہ اتنی بے
تکلف ثابت ہوگی اس کا اسے وہم و گمان تک نہیں تھا۔

"پسند یا ناپسند کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں نے انہیں آج
تک دیکھا ہی نہیں۔" شبانہ نے جواب دیا۔ "مگر آپ چائے کیوں
پیجئے۔ یا میں اپنے ہاتھ سے بنا کر دوں تب پئیں گے۔"

"یہی بات ہے۔ آج میں تمہارے ہاتھ سے چائے پینا چاہتا ہوں۔"

انجم نے کہا۔

شبانہ ہنسی سے ٹھٹھا کر چائے بنانے لگی۔

"شکر کتنے چمچے ڈال دوں۔" اس نے پوچھا۔

"جتنی آپ چاہیں ڈال دیں۔" نجم نے جواب دیا۔ "تمہارے
ہاتھ کی چائے تو ویسے ہی میٹھی ہوگی۔"

"واقعی۔" شبانہ جیسے خوش ہو کر بولی۔ "پھر تو یہ شکر میں
الگ سے اٹھا کر رکھے دیتی ہوں۔"

"کیوں۔ کیا اور شکر نہیں ہے گھر میں۔"

"جی نہیں۔ یہ وجہ ہے کہ شکر آج کل نہیں رہی ہے۔ چنانچہ وہ آج
کل نظر بھی نہیں آ رہی ہے۔"

"بھئی یہ تمہارا ذاتی مسئلہ ہیں ہو رہا ہے۔" غوری صاحب
لب میں قدر رکھتے ہوئے بولے۔ نجم کچھ جھینپ سا گیا۔

"میں نجم صاحب کو شرارت ہونے کی خوشخبری سنا رہی تھی ابو۔"
شبانہ نے جواب دیا۔

"اچھا۔ اچھا۔" غوری صاحب جلدی سے بولے۔ "لو برخوردار
چائے پیو ٹھنڈی نہ ہو۔"

"چاکلیٹ۔" نجم نے غور کر دیکھا۔ "شبانہ تو بتا رہی تھی کہ
شکر نہیں ہے۔ اس لئے آپ شکر کے پھنکے لگا رہے ہیں۔" آج کل۔

"بالکل جھوٹ ہے۔ میں نے چینیوں کا نام تک نہیں لیا تھا۔"

"اچھا تم اپنے کمرے میں جاؤ" غوری صاحب نے شفقت سے کہا
اور جب وہ چلی گئی تو انجم سے بولے۔ "میرے کوٹ کی جیب میں تنخواہ
سے دس روپیہ کا نوٹ نکل آیا تھا تمہارے حساب میں [illegible]
کے وقت گر گئے تھے۔"
"جی ہاں" انجم نے کچھ ترشی سے جواب دیا۔ "دو اشتہار دلانے پر
میرے ڈیڑھ سو روپیے خرچ ہو چکے ہیں۔"
"مجھے معلوم ہے" غوری صاحب سر ہلاتے ہوئے بولے۔
"تم اطمینان رکھو بھائی وزیر احمد کے آتے ہی تمام قرضہ چکا دوں گا۔
تمہارے حساب [illegible]"
"اور وہ نہ آئے تو؟"
"میں نے ایک خط تو [illegible] ڈال دیا ہے۔ وہاں سے صحیح پتہ
آجائے تو میں خود چلا جاؤں گا"
انجم خاموشی سے چائے پینے لگا۔ غوری صاحب اٹھ کر [illegible]
کی الماری کے پاس چلے۔
"آپ تو گلشن لائبریری گئے تھے شاید" انجم نے کہا۔ "وہاں سے
کتابیں نہیں لائے؟"
"وہ لوگ کہتے ہیں کہ پانچ روپیہ نقد ضمانت جمع کرائے
ممبر نہیں بناتے۔ تمہارے حساب میں"
"تو آپ کے پاس تو دس روپیے تھے۔"

غوری صاحب کچھ [illegible] تھے۔
[illegible] میں نے سوچا۔ کتابیں تو یہاں کافی باقی ہیں
[illegible] اب گھر سے ہم [illegible]
[illegible]
[illegible] انجم نے
[illegible] کہیں [illegible]
[illegible]
[illegible] غوری صاحب نے منہ دوسری طرف کرتے ہوئے
[illegible]
[illegible] انجم نے [illegible] گھر کی
[illegible] ایک کتاب کا نام ہے۔"
[illegible] گھر میں ہی
[illegible] کہیں میں ڈھونڈ کر دے دوں گا۔"
[illegible] غوری صاحب الماری سے ایک کتاب
[illegible] دوسرے دن [illegible]
[illegible] آگیا۔
[illegible] انجم سے [illegible]
[illegible] غوری صاحب [illegible]
[illegible] اس نے سوچا [illegible] دیر کچھ پڑھ ہی

لیا جائے۔ کاؤنٹر کی کتاب وہ نوٹ بک تھی۔ کتاب جو
واپسی کی تاریخ پر نگاہ پڑ گئی۔ یہ کتاب وہ گلشن لائبریری سے
دیا تھا اور وہ دن پہلے اسے واپس ہو جانا چاہیے تھا۔ اگر
پڑا تھا۔ جب کتاب کی واپسی کی تاریخ آتی تو وہ لائبریری جا
کچھ پیسے نام اشو کر لیتا۔ اس مرتبہ غوری صاحب کی بوریت
اس کے ذہن سے یہ بھی نکل گیا کہ اسے کتاب لائبریری سے
اس نے ایک گہری سانس لے کر نوٹ بک واپس سیلف پر رکھ
اور کتاب لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔

گلشن لائبریری اور ریڈنگ روم کافی بڑی لائبریری
اور اچھے خاصے پیمانے پر چلائی جا رہی تھی۔ لائبریری دو بڑے
کمروں اور ایک چھوٹے سے آفس پر مشتمل تھی۔ ایک بڑے کمرے
ریڈنگ روم بنا ہوا تھا اور دوسرے کمرے میں کتابوں کی
کھڑی تھیں۔ آفس کا کیبن دروازے کے قریب ہی تھا۔
ایک تنگ سی راہداری الماریوں والے کمرے میں جاتی تھی
کمرے میں تین چھوٹی چھوٹی میزیں ان لوگوں کے لئے ڈلوا دی
جو کسی قسم کا تحقیقی کام وہیں لائبریری میں بیٹھ کر کرنا چاہتے
انجم آفس میں داخل ہوا تو لائبریرین اخلاق صاحب نے
سامنے کرسی پر کوئی نوجوان لڑکی ہلکے نارنجی رنگ کی ساڑھی
بیٹھی تھی۔ اس کی پشت دروازے کی جانب تھی۔

دیجئے آپ کا اجرا کارڈ۔ اخلاق صاحب نے ایک کارڈ
رجسٹر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ فہرست کارڈ کی مدد سے کتابوں والے
اسے آپ بھی دیکھ سکتی ہیں۔ وہاں ہمارا سب ایڈیشن موجود ہو گا۔ آپ فہرست
سے کتاب کا نمبر اور فہرست تلاش کر کے تیسری کتاب لے سکتی ہیں۔
شکریہ۔ لڑکی کارڈ لیتے ہوئے کرسی سے اٹھ گئی۔ اسی وقت
اخلاق صاحب نے انجم کی طرف دیکھا۔
آئیے جناب۔ آپ تشریف لائیے۔ انہوں نے مسکراتے
ہوئے کہا۔
لڑکی گھوم کر دروازے کی طرف چلی اور انجم جیسے اپنی جگہ پتھر
کا ہو کر رہ گیا۔ اس کی نظروں کے سامنے وہی حسین چہرہ تھا جو
وہ ٹریفک سگنل پر رکشہ کی کھڑکی میں دیکھ چکا تھا۔

انجم بے حد حیرت سے اسے دیکھے جا رہا تھا۔ وہ قدم
بڑھا کر اس کے قریب آ گئی۔
شاید آپ نے اب تک کوئی لڑکی نہیں دیکھی۔ وہ کچھ طنزیہ
لہجے میں بولی۔ اگر نہ دیکھی ہو تو دیکھ لیجئے۔ اس کا کوئی خوف نہیں ہے۔
مت دیکھئے گھورئیے۔ وہ مسکرائی۔ مگر کوئی لڑکی بدصورت
نہیں دکھتی۔

بس لیے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے۔"

"جی ہاں۔ میں ڈر گیا تھا نا۔"

"دیکھ کر ڈر گئے تھے تو آواز سنکر تو بے ہوش ہو جانا چاہیے۔"

"تبس اب بے ہوش ہو کر گرنے ہی والا ہوں۔"

"ذرا جلدی گریے کسی طرح راستہ تو صاف ہو۔"

اس سوال و جواب پر اخلاق صاحب نے ایک قہقہہ بلند کیا۔

"آیئے میں آپ دونوں کا تعارف کرا دوں۔" وہ اپنی کرسی سے اٹھتے ہوئے بولے۔ "یہ ہیں مس تنویر۔ ہماری لائبریری کی نئی ممبر حال ہی میں آنند پور سے تشریف لائی ہیں۔ اور . . ."

"بس بس۔ خدا کے لیے میرا تعارف نہ کرایئے گا۔" انجم نے جلدی سے بات کاٹی۔ "میرا گھر یہاں سے بہت قریب ہے۔ کوئی بہانہ بھی نہیں چلے گا۔"

"تعارف کی چنداں ضرورت بھی نہیں ہے۔ کچھ لوگ شریفانہ لباس پہننے کے باوجود پہچان لیے جاتے ہیں۔" تنویر نے کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی باہر نکل گئی۔ انجم مسکراتا ہوا آگے بڑھ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ اسی کرسی پر جسے کچھ دیر پہلے تنویر نے خالی کیا تھا۔

"معلوم ہوتا ہے آپ دونوں میں کچھ پہلے کی دشمنی چلی آ رہی ہے"
اخلاق صاحب نے ہنستے ہوئے کہا۔

"آج پہلی مرتبہ ملاقات ہوئی تھی۔" انجم نے جواب دیا۔ "ویسے

وہ شب [illegible] تو وقت ہے۔"

"یوں کیا گھر تک پہنچنے کا خیال ہے۔" اخلاق صاحب نے پوچھا۔

"مجھے افسوس ہے۔ [illegible] نہیں ہو سکے گی۔ تنویر صاحبہ [illegible] شب کا رڈ

[illegible] ہے۔"

"کوئی کتاب [illegible] ہو گئیں تو آپ یہاں تلاش کریں گے۔"

"جی نہیں۔ دراصل کتاب خرید کر لائبریری میں لگا دیں گے۔"

"جیسے حسین ہونے کا [illegible] معلوم ہوا۔"

"یہ بات نہیں۔ تنویر صاحب نے [illegible] روپے [illegible] جمع کر رہا ہے۔" اخلاق صاحب نے بتایا۔ "کسی دولت مند باپ کی بیٹی معلوم ہوتی ہیں۔"

"یوں صاحب کسی دولت مند شریف کی بیوی ہوں نہیں۔"

"اس [illegible] طور سے [illegible] پہلے مس [illegible] ہے۔"

"گویا قسمت [illegible] باقی ہے۔" انجم نے مسکراتے ہوئے [illegible] کتاب [illegible] لائبریری میں بیٹھ [illegible] تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا۔"

"بڑے شوق سے۔ آج کل [illegible] تو بالکل خالی رہتا ہے۔"

اخلاق صاحب نے جواب دیا [illegible] کتاب اٹھا کر کرسی پر [illegible]

کی اسٹیپ لگا دی۔ پھر انجم کا اوور کوٹ نکال کر اس پر بھی اندراج کر دیا۔

"جناب اب اجازت دیجئے۔" کتاب اٹھا کر انجم نے کرسی پیچھے کھسکائی۔

"کیوں تنویر صاحب سے کچھ اور چوڑیاں نہیں چلیں گی۔" اخلاق صاحب نے پوچھا۔ "وہ کتاب پسند کرنے لگی ہیں تو جی ہی بولیں گی۔"

"جی نہیں۔" انجم نے اٹھتے ہوئے جواب دیا۔ "تنگ چوڑی والی لڑکیاں مجھے بالکل اچھی نہیں لگتیں۔"

مگر یہ جب تب صرف اخلاق صاحب کو جلانے کے لئے تھا۔ یوں لائبریری سے باہر نکل کر انجم گیا نہیں۔ وہیں سڑک کے دوسری جانب فٹ پاتھ پر سگریٹ سلگا کر ٹہلتے ہوئے تنویر کے باہر آنے کا انتظار کرنے لگا۔ تقریباً دس منٹ کے بعد تنویر ہاتھ میں دو کتابیں لئے لائبریری سے برآمد ہوئی اور انجم کی جانب دیکھے بغیر ایک طرف چلنے لگی۔ کچھ فاصلہ دے کر انجم بھی اسی جانب چل دیا۔ تنویر نے جلد ہی اس کے تعاقب کو محسوس کر لیا۔ وہ رک گئی۔

"آپ میرے پیچھے کیوں آ رہے ہیں؟" اس نے کڑے لہجہ میں پوچھا۔

"شکریہ۔" انجم نے جلدی سے کہا۔ "مجھے خود اچھا نہیں معلوم ہو رہا تھا۔ آیئے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔"

"آپ کو معلوم ہے یہ سڑک کہاں جاتی ہے؟" تنویر نے اچانک پوچھا۔

"جی نہیں۔ میں اس شہر میں اجنبی ہو گیا ہوں۔ آپ ہی بتا دیں کہاں جاتی ہے؟"

"سیدھی پولیس اسٹیشن۔" تنویر نے بڑے طنزیہ لہجہ میں کہا۔

"اس کا مطلب یہ کہ آپ جناب جا چکی ہیں۔"

"جی ہاں جب کوئی آوارہ گرد پیچھے پڑ جاتا ہے تو بچنا ہی پڑتا ہے۔"

"اب تک تو آپ سکھا چکی ہیں۔"

"آپ کو تنگ کر کے بتا دوں یا علیحدہ کر کے۔"

"گویا یہ طے ہے کہ آپ مجھے اسکاؤٹ کرنا چاہتی ہیں۔" انجم مسکرایا۔ "مگر آپ کو کسی خوش فہمی میں مشتبہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں صرف آپ کا مکان دیکھنا چاہتا تھا اور وہ بھی اس لئے کہ اگر کبھی رات کو ادھر سے گزرنے کا اتفاق ہو تو ذرا ادھر سے بچ کر نکلوں۔ آپ تو کمرے کی کھڑکی میں کھڑے ہو کر راستہ نکلنے ہی میں گی مگر مجھے رات بھر ڈراؤنے خواب دکھائی دیتے رہیں گے۔"

"شکریہ۔" تنویر نے جواب دیا اور ایک دم پلٹ کر تیز تیز چلنا شروع کر دیا۔ اس وقت انجم اس کے برابر چل رہا تھا۔

ابھی صرف آٹھ ہی بجے تھے۔ چنانچہ سڑک پر اچھی خاصی آمد و رفت تھی۔

"آپ جائیں گے نہیں؟" تنویر نے سخت لہجہ میں کہا۔

"کوشش کیجئے شاید مان ہی جاؤں۔" انجم نے جواب دیا۔ "بس ذرا صبر کرنا پڑے گا۔ جہیز میں لاکھ دو لاکھ ملنے کی امید ہو تو صورت شکل کون دیکھتا ہے۔"

سڑک پر ایک بڑے میاں سامنے سے آرہے تھے۔

"ذرا سنیے" تنویر نے انہیں روک لیا۔

"آپ نے اس سڑک پر کسی پاگل لڑکی کو جاتے ہوئے تو نہیں دیکھا۔"

انجم نے ایک انگلی سر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے گھمائی۔

"میں پاگل نہیں ہوں" تنویر نے پیر پٹخے۔ "یہ شخص بڑی دیر سے میرے پیچھے پڑا ہوا ہے۔"

"بیچاری بچی" بڑے میاں نے گردن ہلائی۔ "اتنی اچھی لڑکی اور پاگل"

"جی ہاں۔ دیکھیے نا" انجم نے منہ لٹکا کر کہا۔

"کب سے ہے یہ حالت"

"بچپن سے ہی بہکی بہکی باتیں کرتی تھیں" انجم نے جواب دیا اور تنویر کی طرف دیکھ کر بولا "ہم تمہارے بارے میں نہیں کہہ رہے"

تنویر جھلا کر آگے بڑھ گئی۔

"حکیم کالے خاں کو نہیں دکھایا" بڑے میاں نے پوچھا۔

"جی بس وہیں لیے جا رہا ہوں" انجم نے آگے قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔ مگر اسے ایک لمحہ کی دیر ہو گئی۔ چوراہا قریب تھا اور سگنل موافق۔ تنویر لپکتی ہوئی دوسری طرف چلی گئی۔ انجم جب تک پہنچے تو ٹریفک کانسٹبل نے سیٹی بجا دی۔ سگنل کی روشنی ہری سے سرخ ہو چکی تھی اور سڑک پر بسوں، موٹروں اور رکشاؤں کا سیلاب سا اس کے اور تنویر کے درمیان حائل تھا۔

انجم سگرٹ کا پیکٹ لے کر واپس آ رہا تھا۔ گھر کے دروازے میں قدم رکھتے ہی جیسے ہی اس کی نگاہ سامنے کمرے کی کھلی ہوئی کھڑکی کی طرف اٹھ گئی۔ ستارہ میز پر چڑھی ہوئی پتہ نہیں کیا کر رہی تھی۔ کھڑکی سے صرف اس کے سمٹے ہوئے پائنچے ہی نظر آرہے تھے۔ یہ وہاں کیا کر رہی ہے۔ انجم نے دل میں کہا۔ غضب ہو گیا۔ وہ ایک دم اچھل کر بلند ہو گیا۔ دیوار پر بڑی سی چھپکلی دیر تک لٹکا ہوا تھا۔ آج ضرور اس کی شامت آئی ہے۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔" وہ کمرے میں گھستے ہوئے بولا۔

ستارہ گھونگھٹ نکالے کھڑکی کا شیشہ صاف کر رہی تھی۔ آواز سنتے ہی گھونگھٹ چہرے پر آ گیا۔ مگر نیچے نہیں اتری۔

"میں پوچھتا ہوں یہ کیا ہو رہا تھا۔" انجم نے میز کے قریب آتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔

"کمرے کی صفائی کر رہی تھی۔" گھونگھٹ کے اندر سے جواب ملا۔

"میں نے تم سے کتنی مرتبہ کہا ہے کہ میرے پیچھے کمرے میں قدم مت رکھا کرو۔"

"اور یہ کہتے ہیں آپ کی موجودگی میں یہاں نہ آیا کروں۔"

ستارہ جیسے بڑی بے چارگی سے بولی۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کس کی

بات مانوں اور کسی کی بات نہ مانوں۔

"مگر تمہیں یہاں آنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔" انجم نے گھبرائے
ہوئے کہا۔ "رات میں نے کہا تھا کہ میرے کمرے کی صفائی کرو۔ ابھی اگر
نیچے گر جاتا تو کیا ہوتا۔"

"واہ۔ آپ کو اتنی سی بات نہیں معلوم۔" شبانہ نے جواب دیا
"فوراً ٹوٹ جاتا۔ یقین نہیں تو میں گر کر دکھا دیتی ہوں۔" اس
نے ہاتھ بڑھایا۔

"ارے ارے کیا کرتی ہو۔" انجم گھبرا کر بولا۔ "پورے دو سو روپے
کا کلاک ہے۔ چلو نیچے اترو۔"

مگر شبانہ نیچے اترنے کے بجائے منہ پر ہاتھ رکھ کر رونے لگی
"آخر میں نے کیا کیا ہے جو آپ اتنا غصہ کر رہے ہیں۔" وہ روتے
ہوئے بولی۔ "کل شام تو آپ بڑی محبت بھری باتیں کر رہے تھے۔"

"اچھا بابا مجھ سے غلطی ہوئی معاف کرو۔" انجم نے زچ ہوتے
ہوئے کہا۔

"میں بابا ہوں؟" شبانہ ٹھنکی۔

"اے بیہودہ تو یونہی میں نے کہہ دیا تھا۔ اب تم کسی طرح نیچے
"نہیں اتروں گی۔ پہلے ٹھیک ٹھیک بتائیے میں کون ہوں؟"

"تم..." انجم نے دانت پیسے۔ "تم آفت ہو۔ قیامت ہو
جان کا۔"

ہے۔ لہٰذا ایسی باتیں نہ کیجیے جن میں شرم آتی ہے۔" تب شبانہ نے
جلدی سے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "ایسی ہی بات ہے تو انگریزی میں ڈیئر
ڈارلنگ کہہ دیا کریں جس میں شرم نہیں آئے گی۔"

"اچھا اب نیچے آجاؤ شاباش۔"

"اتر تو رہی ہوں۔" شبانہ نے جواب دیا۔ وہ میز کے قریب
رکھی ہوئی کرسی پر پیر رکھ کر نیچے اترنے لگی۔ انجم گھبرا کر اسے سنبھالنے
کے لیے آگے بڑھا۔ ایک لمحہ کے لیے شبانہ بالکل اس کی آغوش میں
آ گئی۔ ٹھیک اسی وقت کسی نے دروازے پر کال بیل کا بٹن دبا دیا۔
گھنٹی کی تیز آواز پورے گھر میں گونجتی سنائی دی۔ انجم نے گھبرا کر کھڑکی
کی جانب دیکھا۔ ایک دو عجیب جوڑی آنکھیں قہر آلود انداز میں
اسے گھور رہی تھیں۔ اس نے ایک دم شبانہ کو چھوڑ دیا۔ وہ جلدی
سے نیچے اتری اور کہتے ہی اٹھ کر دوسرے کمرے میں بھاگ گئی۔ انجم
نے لپک کر کھڑکی بند کر دی۔ یہ کھڑکی وہ ہمیشہ بند ہی رکھتا تھا مگر
آج شبانہ نے کھول دی تھی۔

اس نے دروازے پر غوری صاحب کی مسرت بھری آواز سنی

"خدا دیکھی کہ بھائی وزیر احمد خاں ہیں۔ تمہارے حساب میں وہ
کہہ رہے تھے۔ السلام علیکم بھابھی جان! آؤ برخوردار سہیل سلمہٗ
اللہ صاحب زادے۔ آپ بھی آئیے نا بھابھی۔ بھائی ٹھیک ہی تم نے بڑا پریشان کیا
ہے تمہارے حساب میں۔"

انجم سر پکڑ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ اگر یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے
اشتہار دیا گیا تھا تو پھر تو غضب ہو گیا۔ ان لوگوں نے اسے اور
کو ایسی پوزیشن میں دیکھ لیا ہے کہ اب جو قیامت نہ اٹھے وہ تھوڑی ہے۔
اسی کو کہتے ہیں نیکی برباد گناہ لازم۔ جو کچھ کیا دھرا تھا وہ تو
مفت میں بدنامی گلے پڑ جائے گی اور وہ بھی ایسے موقع پر جب
محض اتفاق سے اسے تنخواہ مل گئی تھی۔ ایک تو ویسے ہی وہ
کے ہتھے کی طرح اکڑی جا رہی تھی۔ اب کہیں یہ بات اس تک
گئی تو بات کرنا بھی گوارا نہیں کرے گی۔

"ارے بھئی برخوردار انجم۔" غوری صاحب بڑے خوش خوش
کمرے میں داخل ہوئے۔ "وہ بھائی وزیر احمد خان آ گئے ہیں
حساب میں۔ کہتے ہیں کہ پہلا اشتہار تو ان کی نظر سے نہیں گزرا
آج صبح سنڈے ایڈیشن میں دوسرا اشتہار پڑھ کر آئے ہیں۔"

"پھر تو بڑی خوشی کی بات ہے۔" انجم نے زبردستی مسکرانے
کی کوشش کی۔

"خالی خولی خوشی کی نہیں مٹھائی والی خوشی کی بات ہے۔"
غوری صاحب نے باچھیں پھاڑتے ہوئے جواب دیا۔ "بھئی
وزیر احمد خان اور سہیل سلمہٗ میرے کمرے میں بیٹھے ہیں بجو
سے باتیں کر رہے ہیں۔ ذرا دس بیس روپے جیب میں ہوں
اسی بات پر سب کا منہ میٹھا کرا دوں تمہارے حساب میں۔

نہ ہوں تو دس بیس روپے دے دیجئے۔"

"جی ہاں۔ ضرور، کیوں نہیں۔" انجم نے کھٹ سے بیس روپے
نکال کر غوری صاحب کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ کوئی دوسرا موقع ہوتا
تو شاید وہ اتنی آسانی سے نہ دیتا مگر اس وقت اس کے دل میں چور
تھا اور وہ چاہتا تھا کہ یہ مصیبت جتنی جلد اس کے سر سے ٹل جائے
اتنا ہی اچھا ہے۔

"جیتے رہو برخوردار۔" غوری صاحب نے دعا دی۔ "واقعی اس
غریب الوطنی میں تم ہمارے لئے رحمت کا فرشتہ ثابت ہوئے ہو۔ ہم
لوگ کبھی تمہارے احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔"

غوری صاحب واپس اپنے کمرے میں پہنچے تو سعید بھی موجود تھا۔
"برخوردار سعید بھی خوب موقع پر آئے۔" وہ بے تحاشا خوش
ہوتے ہوئے بولے۔ "ان سے ملو یہ ہیں بھائی وزیر احمد خان اور یہ ان
کے صاحبزادے سہیل سلمہٗ تمہارے حساب میں۔"

"یہ تو مبارک ہو آپ کے سرپرست۔" سعید نے فوراً جواب دیا۔
"تا صبح سے تو واقعی بڑی خوشخبری بغیر مٹھائی کے سنائی ہی نہیں
جا رہی تھی۔"

وزیر احمد خان اور سہیل نے چونک کر سعید کی طرف دیکھا۔
غوری صاحب نے ایک قہقہہ لگایا۔

"یہ مذاق رہنے دو بھائی۔" انہوں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "آپ کے

سرپران برخوردار کا تکیہ کلام ہے۔ اور یہ اپنے تکیہ کلام سے
شرمندہ کرتے ہیں کہ کھسیا کر رہ جاتا ہوں۔ بہرحال مجبوری
عادت پڑ گئی ہے تو اب کیا کیا جا سکتا ہے تمہارے حساب میں۔

وہ سعید کی طرف متوجہ ہوئے۔

"برخوردار مٹھائی بنے ہی جا رہا تھا۔ تم ان لوگوں سے باتیں

میں ابھی آتا ہوں"

غوری بھائی مٹھائی وغیرہ تو آتی رہے گی۔ وزیر احمد

"پہلے یہ بتائیے کہ آپ نے اپنے روپیے کی منتقلی کے لئے کیا انتظام
ہے۔ میں نے اس بارے میں آپ کو خط بھی لکھا تھا مگر آپ نے

ہی نہیں دیا۔

"ابھی جواب کیا دیتا جب مجھے خط ہی نہیں ملا۔ غوری
نے کہا۔ "خط مل جاتا تو مجھے اتنی پریشانی کیوں اٹھانا پڑتی۔
حساب میں۔ تم کہتے ہو کہ تم نے اس میں اپنا موجودہ پتہ بھی تحریر
یہاں ٹھہرنے کے بجائے سعید تمہارے گھر پہنچتا۔

"وہ تو ٹھیک ہے غوری بھائی میں نے شادی کے خیال
ذرا اڑا مکان کرایہ پر لے لیا تھا۔ بہرحال جو ہوا سو ہوا
بتائیے کہ رقم ساتھ لے کر آئے ہیں یا کسی اور ذریعہ سے
کی ہے۔

غوری صاحب پہلی ہی مرتبہ اس سوال پر مضطرب

خراب دوسری مرتبہ ان کے چہرے سے زبردستی کی مسکراہٹ بھی
غائب ہوگئی پیشانی پر شکنیں نمودار ہوگئیں۔ آنکھوں میں الجھن اور
پریشانی کے تاثرات نظر آنے لگے۔ وزیر احمد خاں اور سہیل بڑے
غور سے ان کی صورت دیکھ رہے تھے۔

کیا بات ہے غوری بھائی آپ خاموش کیوں ہیں۔

بات یہ ہوتی جانی ہے۔ غوری صاحب نے ایک ٹھنڈی سانس بھری
میرے پاس کل جمع پونجی پندرہ ہزار تھی مگر وہ یہاں آتے ہوئے کسٹم پر
ضبط کر لی گئی ... حساب میں۔ اب تو میرے پاس چھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے
آپ صاحب کو خط لکھا ہے اگر انہیں پرانی خدمات کا خیال آگیا تو
شاید ... روپیہ بھجوا دیں گے۔

یہ کیا کہہ رہے ہیں غوری بھائی۔" وزیر احمد خاں کا منہ لٹک گیا۔
"سچ کہہ رہا ہوں بھائی"

مگر۔ مگر۔ پھر آپ لڑکی کی شادی کیسے کریں گے۔

اب تو سب کچھ تمہیں ہی کرنا ہے بھائی۔ لڑکی تمہیں دے دی
ہوں۔ رسمی طور پر رخصتی بھی تو کرنا ہے سو تم اب سے اپنے ساتھ
لے جاؤ۔

مگر آپ نے تو وعدہ کیا تھا کہ دس ہزار نقد جہیز میں دیں گے۔
آپ نے بھی کیا بات کہی۔ میں تو بڑی آس لگائے بیٹھا تھا کہ بیٹا
بار شکر ادا کروں گا۔ بات کی ٹھیک ہی اب پہلے جیسی نہیں رہی

"آپ سے کیا پردہ۔ بڑی مشکل سے دال روٹی چل رہی ہے
ہاں غوری بھائی۔ سہیل ٹھیک کہہ رہا ہے۔" وزیر احمد…
تائید میں گردن ہلائی۔ "یہاں ایک سے ایک، اچھا رشتہ مل رہا تھا…
لوگ تو ہمیں ہزاروں کا کاروبار شروع کرانے کا وعدہ کر رہے…
مگر میں نے پرانی دوستی کی وجہ سے آپ کے یہاں رشتہ منظور…
اب آپ کہتے ہیں کہ ساری رقم کسٹم والوں نے چھین لی۔ ایسی صورت…
میں۔ تو مجھے ۔ غور کرنا پڑے گا کہ ۔ یہ رشتہ ۔"
"ابھی یہ باتیں اطمینان کے ساتھ تمہارے گھر چل کر ہی ہوں…
ہیں تمہارے حساب میں۔" غوری صاحب نے جلدی سے بات…
وہ سعید کے سامنے اس نازک مسئلہ پر گفتگو نہیں کرنا چاہتے تھے
تمہارے آنے کی خوشی میں مٹھائی تو لے آؤں۔"
وہ جلدی سے باہر نکل گئے۔ وزیر احمد خاں اور سہیل…
دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔
"آپ کس چیز کی ٹھیکیداری کرتے ہیں آپ کے سرپرست…"
"مکانات وغیرہ بنواتا ہوں ٹھیکے پر۔" وزیر احمد خاں نے…
اور کسی قدر آگے جھک کر رازدارانہ لہجہ میں بولے۔ "سچ…
صاحب واقعی اپنی پونجی لٹا آئے ہیں یا ہمیں دھوکہ دے رہے…"
"ابا جی مجھے تو یہ بڑے میاں بڑے چالباز نظر آتے ہیں…
نے بات بنا کر کہا۔ "نکاح کے وقت کہہ دیا کہ جو کچھ دینا ہے…

…ہی گئے اور اب لٹنے کا بہانہ بنا دیا۔ ان کی نیت میں پہلے ہی فتور تھا
…میں آپ سے سچ کہتا ہوں اگر بڑے میاں نے پانچ ہزار روپیہ نہیں دیا تو
…میں ان کی بیٹی کو طلاق دے دوں گا۔ میں اپنا مستقبل
…کی بیٹی پر قربان نہیں کر سکتا۔"
"…اور دو ایک لاکھ روپے کی بات کی ہے آپ کے سرپرست سعید
…ٹھیک ہی ہے۔ واقعی آدمی کو اپنے مستقبل کے لیے سب کچھ قربان
کر دینا چاہیے۔ آپ مجھ سے پوچھتے تو میں بھی بالکل یہی مشورہ دیتا۔"
"تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔" وزیر احمد خاں نے پھر پوچھا
"…کیا جواب دوں آپ کے سرپرست۔" سعید نے ایک گہری سانس…
…کسٹم کے…آپ کے سرپرست۔ یہ مکان جس میں غوری صاحب
…رہتے ہیں میرے دوست نجم کا ہے۔ وہ بھی کسٹم آفیسر ہے
…ہیں تو غوری صاحب نے یہ داستان سنائی تھی جو وہ آپ کو سنا
…چکے ہیں۔ اب کیا حقیقت ہے آپ کے سرپرست۔ یہ خدا بہتر جانتا ہے
…میں تو اتنا جانتا ہوں کہ ان کی صاحبزادی بھی کچھ ایسی ہی نظر آتی ہیں۔"
"اچھا۔" وزیر احمد خاں کچھ دور آگے سرک آئے۔ "وہ کیسے۔"
"تمہیں یہ بات تو پتہ ہے آپ کے سرپرست کہ غوری صاحب نے
…زیور ان کی بیٹی وغیرہ … کے مکان میں رکھا ہوا ہے۔"
سعید نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "اگر آپ کا مکان نہیں ملا تو کیا
…ہوٹل میں نہیں ٹھہر سکتے تھے۔ اس کے علاوہ اب میں آپ کو کیا

بتاؤں کہ ان گنہگار آنکھوں نے کیا کیا دیکھا ہے آپ کے ساتھ۔
انجم کہنے کو میرا دوست ہے مگر یہ ان کی بات ہے کہ مجھے ان کی یہ بگڑی
بہت ہی ناگوار گزری ہے۔

"کیا ہوا ابھی کھل کر بات کرو نا۔" سہیل نے دلچسپی سے کہا۔

"ابھی دو تین دن پہلے کا ذکر ہے کہ انجم اور شبانہ اکیلے کچھ
منانے گئے تھے آپ کے سر پر۔" سعید نے رازدارانہ لہجے میں
"اور یہ سب کچھ یہاں سے بیس میل دور بالا شاہ بابا کے
مقام پر۔ میں بھی ساتھ تھا۔ غوری صاحب وہاں ہی پڑھتے رہے
آپ کے سر پر اور بیٹی رات بھر غائب رہی۔ مگر خدا کے لیے
آپ لوگ انجم سے یا غوری صاحب سے نہ کہہ دیں کہ یہ باتیں
نے آپ کو بتائی ہیں۔"

"بالکل نہیں۔" وزیر احمد خاں نے فوراً وعدہ کر لیا۔ "تو
لوگ رات بھر بادشاہ بابا کو ہی میں ہی رہے؟"

"[illegible] صاحب مجھے تو یوں ہی دکھانے کے لیے ساتھ لے گئے
ورنہ حقیقت میں تو وہ ہی دونوں رہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب
پہنچے تو بادل چھائے ہوئے تھے آپ کے سر پر۔ واپسی ہوتے
بارش بھی شروع ہو گئی۔ بڑی مشکل سے ایک غیر آباد جھونپڑی
آئی آپ کے سر پر تو وہاں جا کر پناہ لی۔ مگر اندر جا کر دیکھا تو
جگہ جگہ سے ٹپک رہی تھی۔ انجم نے بہانہ بنایا کہ بھئی یہاں

دیر ہو جائے گی [illegible] شہر جا کر کوئی ٹیکسی [illegible] تو گھر واپس چلیں جس کیا
[illegible] تھی تو وہ ان [illegible] ٹیکسی لینے نکل پڑا آپ کے سر پر [illegible]
[illegible] رات جنگل بیابان [illegible] موسلا دھار بارش [illegible] کی
[illegible] میں جنگل سر پر [illegible] تھا آپ کے سر پر بارش نے
[illegible] تھی [illegible] کہتے ہوئے [illegible] پھسلن تھی آپ
[illegible] مشکل [illegible] کہیں گیند [illegible]
[illegible] کی [illegible] آپ کے سر پر [illegible] میں ایک
[illegible] بھی پڑ رہی تھی [illegible] دونوں ہوئے آپ
[illegible] ہیں [illegible] جو کچھ بھی [illegible] کم ہے
[illegible] ہاتھ [illegible] اور ادھر
[illegible] پھسلتی ہی چلی گئی [illegible] بیٹ بولے
[illegible] آپ کے سر پر [illegible] مگر پھر
[illegible] ٹیکسی لے کر واپس پہنچا۔ جھونپڑی میں جا کر دیکھا
تو [illegible] بتاؤں وہ منظر دیکھ آپ کے سر پر کو نظام [illegible]
دونوں ایک دوسرے سے لپٹے بیٹھے تھے۔ اور اب آپ ہی انصاف کریں
آپ تو [illegible] ہیں کہ اس رومانی موسم میں کیا کچھ نہ ہو گیا ہو گا
آپ کے سر پر؟"

"ٹھیک ہے [illegible] میاں" وزیر احمد خاں سر ہلاتے ہوئے بولے۔
[illegible] میں نے اور میں نے [illegible] سے دیکھا تھا کہ کمرے میں

[illegible] بھی [illegible] ہے۔ پہلے محض تمہارے [illegible]
یقین ہو گیا [illegible] سوال ہے۔

"باجی اب [illegible] سہیل سے
تیزی سے [illegible] مستقبل [illegible]
[illegible] مستقبل [illegible] صورت دیکھ [illegible]
بھی رہتے۔"

میں [illegible] بھی ہو تو
[illegible] نے جواب دیا۔

اسی وقت [illegible] میں [illegible]

"میں نے [illegible] وہ سعید [illegible] بولیں۔ "پھر
تم نے ہم نے جس لڑکی کو [illegible] دیکھا تھا وہ شبانہ کی تھی۔ [illegible]
[illegible] معلوم کر لی ہیں۔ بھائی صاحب ایک ہفتے [illegible]
میں جو ان بیٹی ہوتے [illegible] کے ساتھ [illegible] رہے ہیں۔ گھر میں
کوئی نہیں رہتا۔ [illegible] سب کچھ ہو سکتا ہے [illegible]
اور [illegible] سے [illegible] لیے [illegible] میں تو بھی [illegible]
ابھی سہیل سے تین طلاقیں [illegible] بھی کچھ
نہیں ہے۔"

"[illegible] بھی [illegible] سہیل کی ماں [illegible] صاحب کو [illegible]
قصہ ختم کیے دیتا ہوں۔ [illegible] احمد [illegible] سے غصے سے جو [illegible]

[illegible] مجھے [illegible] سب [illegible] کو [illegible] مسکرا تے ہوئے
[illegible] خوش ہو گئے۔
[illegible] ایک [illegible] جان [illegible] ہے [illegible]
[illegible] ہے۔
[illegible] کا [illegible]
"مجھے یہ رشتہ منظور نہیں ہے۔"
[illegible] "تمہیں [illegible] نہیں۔
[illegible] مگر [illegible] سے [illegible] کر کے
پھر رکھ دیا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو [illegible]"
[illegible] تمہیں [illegible] کو دے کے
[illegible] دیکھتے ہوئے [illegible] میں [illegible] عورت
[illegible] تمہاری [illegible]
[illegible] نہیں [illegible] مگر اب [illegible] لڑکی [illegible] نہیں [illegible] سکتی
[illegible] بات [illegible] میری [illegible] کی
قسمت [illegible] تمہیں [illegible] چاہیے۔"
قسمت۔ [illegible] نے [illegible] کہا۔ میں نے، سہیل نے اور
[illegible] سے [illegible] آغوش [illegible]
وہ سہیل کی طرف گھومے۔

"ابھی تم طلاق دے دو۔ ایسی بدچلن لڑکی تمہاری بیوی بننے
کے قابل نہیں ہے۔"
"میں ستارہ کو طلاق دیتا ہوں، میں ستارہ کو طلاق دیتا ہوں، میں ستارہ
کو طلاق دیتا ہوں۔" سہیل نے لڑکھڑاتے ہوئے کہا۔ "میں نے زبانی
طلاق دی ہے۔ باقاعدہ طلاق نامہ کل بھجوا دیا جائے گا۔"
وہ تیز تیز قدموں سے کمرے سے باہر نکل گیا۔ وزیر احمد صاحب نے
اپنی بیوی کی طرف دیکھا۔
"چلو سہیل کی ماں اب ہمارے ان غوری صاحب سے کوئی واسطہ نہیں
دوستی کے تمام رشتے آج ختم ہو گئے۔"
بیگم صاحبہ نے جلدی سے برقعہ سر پر ڈالا اور وزیر احمد خان [illegible]
بیوی کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے غوری صاحب کی طرف ایک نگاہ
ڈالے بغیر کمرے سے باہر چلے گئے۔
"یہ کیا ہو گیا پروردگار۔" غوری صاحب سر پکڑ کر کرسی پر
بیٹھ گئے۔
"جو کچھ ہوا اچھا ہی ہوا قبلہ آپ کے سر پر۔" سعید نے جواب دیا۔
"ایسے لالچی لوگ اس قابل نہیں تھے کہ ستارہ بہن ان کے گھر جا کر اپنی
زندگی تباہ کر لیتیں۔"
"یہ لوگ واپس کیوں چلے گئے۔" انجم کچھ حیران سا کمرے میں داخل ہو۔
"سہیل نے ستارہ بہن کو طلاق دے دی۔" سعید نے بتایا۔

"وہ کیوں؟"
"وہ غوری صاحب کی دولت پر آس لگائے بیٹھے تھے جب انہیں
معلوم ہوا کہ دولت باقی نہیں رہی تو انہوں نے ایک غریب لڑکی کو
اپنی بہو بنانے سے انکار کر دیا۔" سعید نے جواب دیا۔ "اس کے علاوہ
وزیر احمد صاحب اور ان کی بیوی نے تمہیں اور ستارہ کو ایک ساتھ دیکھ لیا تھا
انہیں طلاق دینے کا بہانہ مل گیا۔"
"اب کیا ہو گا۔" انجم گھبرا گیا۔
"ہو گا یہ کہ برخوردار تمہاری وجہ سے میری بیٹی پر تہمت لگی، تمہیں
ہی [illegible] کرنا ہو گا۔" غوری صاحب نے بگڑ کر کہا۔
"میں [illegible] واپس نہیں جا سکتا۔"
"بس بہت ہو چکا۔" انجم کو بھی غصہ آ گیا۔ "آپ وطن واپس جائیں
یا نہ جائیں مگر جلد سے جلد میرا گھر خالی کر دیں۔ میں اب مزید آپ لوگوں
کو برداشت نہیں کر سکتا۔ ایک ہفتے سے میری زندگی مستقل ایک
عذاب بنی ہوئی ہے۔ ایک طرف آپ کی پاگل بیٹی میرے پیچھے لگی ہے
دوسری طرف آپ نے اٹھتے بیٹھتے ناک میں دم کر دیا ہے۔"
"ارے ارے انجم یہ کیا بدتمیزی ہے۔" سعید جلدی سے بولا۔
"نہیں رکنے دو [illegible] مگر بات کہنے کا بھی ایک ڈھنگ ہوتا ہے۔
[illegible] تو کرنا ہی پڑے گا کہ غوری صاحب ہی واپسی کا کوئی
انتظام کریں۔ ورنہ اس پردیس میں وہ کہاں ٹھوکریں کھاتے پھریں گے

آپ کے سر پر۔

"میں کچھ نہیں جانتا میں نے کوئی نان کا ٹھیکہ۔"

"اچھی بات ہے۔" غوری صاحب ایک دم جوش میں آگئے اور بولے۔ "تم نے ٹھیکہ نہیں لیا۔ برخوردار تو میں بھی تمہارا [illegible] غیرت نہیں ہوں [illegible] [illegible] میں [illegible] سے [illegible] [illegible] ابھی [illegible] میں [illegible] کر لوں گا تمہارے حساب میں۔"

[illegible]

[illegible] غوری صاحب نے ایک جھٹکے سے الماری کا پٹ کھولتے ہوئے جواب دیا اور نچلے خانے سے رسی نکال لی۔

سعید حیرت سے کبھی نجم کو دیکھ رہا تھا اور کبھی غوری صاحب کو۔

غوری صاحب نے رسی ہاتھوں میں لے کر چھت کی طرف دیکھا۔ یہ کمرہ جس پر غوری صاحب کا قیام تھا ان کے آنے سے پہلے ڈرائنگ روم کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ نجم نے ایک پرانا سیٹنگ [illegible] کمرے میں [illegible] [illegible] سے [illegible] پنکھا نکال کر [illegible] لیکن [illegible] اتنی گرمی نہیں پڑی تھی [illegible] استعمال شروع ہوتا تو غوری صاحب نے رسی کا پھندا بنا کر لٹکے ہوئے پنکھے میں پھنسا دیا۔ سعید گھبرا گیا۔

[illegible] نجم [illegible]

[illegible] مسکرا کر دیکھتا رہا۔

[illegible] میرا مکان خالی کر دیں [illegible]

[illegible]

غوری صاحب [illegible] [illegible] کہا [illegible]

[illegible]

غوری صاحب [illegible] [illegible] ہو گئے۔

[illegible] نجم [illegible] [illegible] نہیں [illegible]

[illegible]

مگر غوری صاحب [illegible] بولے رسی [illegible] [illegible] کا

[illegible]

آپ [illegible] [illegible] کا شوق ہے تو کوئی کیا کر سکتا ہے۔ نجم [illegible] نہیں [illegible] [illegible] آپ [illegible] میں نے [illegible] ایک [illegible] مہینے کے اندر [illegible] پڑے گا۔

[illegible] غوری صاحب سعید سے مخاطب ہوئے

میری موت کی تمام تر ذمہ داری [illegible] کی گردن پر ہے۔

بالکل بالکل سعید نے سر ہلایا "میں گواہ ہوں آپ [illegible]

اطمینان سے اپنا کام جاری رکھیں

غوری صاحب کرسی پر کھڑے ہوئے اچھلے اور پھر کرسی پر [illegible]

دو تین مرتبہ ایسا ہی ہو۔

[illegible] سعید بولا۔ "آپ کو خودکشی کا کوئی تجربہ

معلوم ہوتا۔ اس طرح تو قیامت تک اچھلتے رہیں گے [illegible]

زندگی میں پہلی مرتبہ خودکشی کر رہا ہوں تمہارے حساب میں

غوری صاحب اچھل اچھل کر ہانپ گئے تھے۔ "تم ہی بتاؤ [illegible]

کرنا چاہیے۔"

"کرسی کو پیروں سے نیچے گرا دیجیے۔"

"مگر جب تک میں کھڑا ہوا ہوں کرسی کو خود کیسے [illegible] سکتا ہوں

حساب میں۔"

"میرا خیال ہے اب کی مرتبہ اچھل کر پشت پر پیر ماریں [illegible]

ہو گی۔"

"کس کی پشت پر" غوری صاحب نے تعجب سے پوچھا [illegible]

تو مجھ سے بہت دور ہو۔"

"کرسی کی پشت پر۔" سعید نے جواب دیا۔

"کوشش کرتا ہوں خدا کرے کامیاب ہو جاؤں تمہارے حساب [illegible]

"آمین" سعید [illegible] [illegible] ختم آمین

غوری صاحب [illegible] اچھلے اور کرسی کے ساتھ ہی انھوں نے کرسی کی پشت

[illegible] کی کوشش میں

[illegible] ایک [illegible] اور دوسرے لمحہ دو بڑے

[illegible] کرسی [illegible] ہوئے سر سے [illegible] دیکھ [illegible]

[illegible] کرسی کو [illegible]

سعید [illegible] کر ان کے پاس پہنچا۔

آپ نے دیکھا ابھی [illegible] آپ کی [illegible]

[illegible] ہوئے بولا۔ "لعنت بھیجیے [illegible]

[illegible] مجھے [illegible] آپ کے سر [illegible] جہاں تک [illegible] وغیرہ

[illegible] آپ [illegible] لوگوں کی بات پر یقین کر بیٹھے

[illegible] کچھ [illegible] ذرا بیٹھی

[illegible] آپ کے سر پر"

[illegible] غوری صاحب کے منہ میں

[illegible]

"آپ تو [illegible] بیٹھیے [illegible] کھا لیجیے۔ کہتے ہیں کہ

[illegible] آپ کے سر پر [illegible]

[illegible] آپ کیوں پریشان ہوتے ہیں۔

"[illegible]" غوری صاحب [illegible] ہوئے بولے

"دلشاد رہ گیا تمہارے صاحب میں۔ بہت ترچھی کی [illegible]

لفڑنیہ گلاب جامنیں ہیں۔ کڑھائی سے گرم گرم منگوا کر رہا تھا۔

ڈھول ذرا تو تھا۔" انجم نے منہ بناتے ہوئے [illegible]

نکل گیا۔

برخوردار اب تم لاحول پڑھو یا کچھ اور۔ خوری صاحب [illegible]

دوسری گلاب جامن نگلتے ہوئے داد سنائی۔ وہ تم بیٹھے [illegible]

تو مجھے دوسری چھپے ہو میں سب سن رہا تھا۔

۱

انجم نے دور ہوتی ہوئی ٹرین کو دیکھا اور [illegible] طرف وار

چل دیا۔ پہنچا ہی تھا کہ سعید ادھر ادھر جیسے کسی تلاش میں [illegible]

باہر نکلا۔ انجم کو دیکھتے ہی وہ اس کی طرف لپکا۔

"کہاں غائب ہو جاتے ہو۔" قریب آتے ہوئے [illegible]

معلوم نہیں ہوں کہ بار بار صاحب بہادر کی تلاش میں [illegible]

رہا ہوں۔"

"کیا بات ہے۔" انجم نے پوچھا۔

"بات کیا ہوتی۔ تین مرتبہ فون آچکا ہے۔"

"کس کا؟" انجم نے چونک کر پوچھا۔ "بڑے صاحب کا؟"

"اور تو کسی صاحب کی معلوم ہوتی ہے۔" سعید نے بتایا۔

[illegible] کی ضرورت نہیں ہے۔ آج کل آفس کے فون کا کوئی بھروسہ نہیں۔

[illegible] صاحب نے مجھے فون کیا۔ میں سمجھا کہ تمہاری ہونے والی بھابھی کا

[illegible] تو سیدھی باتیں کرتا رہا جب اچھی طرح شکست ہو چکا

[illegible] صاحب [illegible] کر [illegible] سے [illegible]

[illegible] ہوں۔ اسی بات سے کہتا ہوں۔ بڑی خوش [illegible]

[illegible] نہیں [illegible] کچھ [illegible] نرگس نے [illegible]۔ میں نے ریسیور

[illegible] سے [illegible] نہیں کہ پہلے ادھر کی آواز سن لوں۔

[illegible] رہی جب نرگس بولی۔ تو اب [illegible] بھی

[illegible] نہیں [illegible] دیر سے ریسیور چھوڑے [illegible] ہوں اور

[illegible] سعید [illegible] نہیں کہ سکتے ہیں [illegible] صورت [illegible]

[illegible] سے ایک دم سے ریسیور رکھ دیا۔

"تو اس میں فون کا [illegible] بہت ہوئے

[illegible] ضرور" سعید نے سر کھجاتے ہوئے جواب دیا

[illegible] کا پہلے تم فون سن لو۔"

[illegible] تو [illegible] دیر سے [illegible] تھا سنائے جا رہے ہو [illegible] نہیں

[illegible] آ رہا ہو [illegible]۔ انجم نے جلدی سے [illegible]

[illegible] ریسیور [illegible]

[illegible] سے [illegible] میں انجم بات کر رہا ہوں۔ کون صاحب ہیں

[illegible] بہت دیر کی [illegible] آواز صرف کسی

لڑکی کی تھی بلکہ بے حد سریلی بھی تھی۔ کوئی یہاں تین تین مرتبہ آپ کو فون
کرتا ہے۔ پانچ پانچ منٹ ریسیور لئے چپ چاپ بیٹھا رہتا ہے تب کہیں جا کر آپ
کی آواز سننے کو ملتی ہے۔ سچ کہا ہے کسی نے نادر و لئے نیاز کیا ہے نہیں۔
معاف کیجئے میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔" انجم کچھ حیران سا تھا
اسے شبہ ہو رہا تھا کہ یہ کہیں تنویر نہ ہو۔

"ہاں صاحب آپ ہمیں کیوں پہچانیں گے۔ جواب ملا۔ ویسے بقول
احسان دانش ساری دنیا مجھے پہچانتی ہے۔ کوئی مجھ سا بھی ہے تم سا ہو
ورنہ اب بھی آپ کی سمجھ میں نہ آیا ہو تو سن لیجئے انداز لبریزی کے قربان جائیے
ہم کشتگان ناز ہیں پہچان جائیے۔"

"آواز سے شبہ ہوتا ہے کہ آپ تنویر ہیں۔" انجم نے الجھتے ہوئے
لیکن باتیں تو ایسی گستاخیاں کر رہی ہیں کہ یقین کرنے کو دل نہیں چاہتا۔

"میں تنویر نہیں تصویر ہوں۔ یعنی حقیر سی پر تقصیر ہوں۔ آپ کی
گرہ گیر کی اسیر ہوں۔ مگر نہیں۔ آپ لوگوں کی تو شاید زلفیں نہیں
کرتیں کم سے کم آج کل نہیں ہوتیں۔ دیر تک کوشش جب
مستقبل میں شاید ہونے لگیں۔ اس لئے سر دست آپ کے ماتھے
بکھری ہوئی آوارہ لٹوں کی اسیر ہوں۔ اور جان بہار محبوب ستم
جہاں تک گستاخ باتوں کا تعلق ہے تو میں نے اکثر نوجوانوں کو دیکھا
دیکھ کرتے یا خط لکھتے وقت اس سے زیادہ گستاخیاں کرتے
محترمہ تصویر صاحبہ میں زیادہ دیر تک اس گفتگو کا متحمل

ہو سکتا۔ صاف صاف بتایئے آخر آپ چاہتی کیا ہیں۔" انجم نے کسی
قدر غصہ سے کہا۔

"ہائے اللہ کتنے بے شرم ہیں آپ۔ صاف صاف اپنی محبت کا
اقرار کرانا چاہتے ہیں۔ جائیے ہم آپ سے نہیں بولتے۔"

"شکریہ محترمہ! میں اسے اپنی خوش قسمتی سمجھوں گا۔"

"جی۔ کیا آپ کو اس بات سے خوشی نہیں ہوئی کہ ایک حسین لڑکی
آپ سے محبت کرتی ہے؟"

"اگر آپ مجھ سے نفرت کرنے لگیں تو مجھے زیادہ خوشی ہوگی۔
جی خدا حافظ۔"

"ارے۔ ارے سنئے تو سہی۔ ابھی ریسیور نہ رکھیئے گا۔" لڑکی نے
جلدی سے کہا۔ "کیا میری آواز سریلی نہیں۔ کیا اسے سن کر آپ کے کانوں
میں جلترنگ کی گھنٹیاں نہیں بجیں۔"

"آواز آپ کی واقعی سریلی ہے۔" انجم نے جواب دیا۔ "مگر باتیں
بڑی بے سری کر رہی ہیں۔"

"میری آواز سن کر آپ کے دل میں بے اختیار مجھے دیکھنے کا جذبہ
پیدا نہیں ہوا؟"

"ہوا تو ہے۔" انجم نے ایک گہری سانس لی۔ "سوچ رہا ہوں
کاش آپ سامنے ہوتیں اور میں..."

"ہاں ہاں۔ بے تابانہ انداز سے بات کاٹتے ہوئے پوچھا گیا۔

"اور آپ کیوں؟"

"اور میں آپ کی کان گوشی کر سکتا۔" انجم نے بات پوری کر دی۔

"جی — جیسے چونک سا گیا۔

"جی ہاں، آپ جیسی لڑکیوں کا پتہ رہنا بہت ضروری ہے۔

"آپ نے مجھے ڈرا دیا تھا مجھ سے۔ میں تو سمجھ رہی تھی۔

دیکھنے کے لئے گولڈن کلب ضرور آئیں گے۔

"اگر آپ سچی سچی بے چین ہیں تو ضرور آجاؤں گا۔

"سچ"

بالکل سچ

مجھ سے محبت کرنے کے لئے۔ لہجہ کچھ غیر یقینی سا تھا

جی نہیں آپ کی درست کرنے کے لئے۔ انجم نے جواب دیا۔

ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

"کون تھی —؟" سعید نے دلچسپی سے پوچھا۔

"پتہ نہیں — انجم نے لاپرواہی سے ہینگر میں لٹکا ہوا [illegible]

ہوئے جواب دیا۔ "اپنا نام تصویر بتا رہی تھی۔"

"تصویر — کتنا رومانٹک نام ہے —" سعید نے چٹخارہ [illegible]

"پھر کیا کہہ رہی تھی۔

"کہہ رہی تھی کہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔" انجم مسکرایا۔

"دعوت تیرے گی۔" سعید نے منہ بنایا۔ "یہ لڑکیاں [illegible]

یہ سالی تمہاری ہی تقدیر میں مارتی ہیں

"نرگس کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"ارے وہ کوئی لڑکی ہے —" سعید نے ہاتھ ہلایا۔ "وہ تو نرگس

سے زیادہ سے زیادہ [illegible] بھی کہہ سکتے ہو۔"

"میں نے نوٹ کیا ہے [illegible] تو نرگس کو ضرور ستاؤں گا

[illegible] ہنستے ہوئے جواب دیا۔

[illegible] سعید [illegible] تو مذاق ہی مذاق میں سیریس

[illegible] رہی تھی وہ۔"

[illegible] تو آج شام گولڈن کلب

[illegible] گا۔

[illegible] سعید [illegible] رہے ہو۔

میں [illegible] نہیں ہوں۔"

[illegible] اجازت ہے۔

[illegible] انجم نے ہنستے ہوئے کہا۔

[illegible] لڑکی ہے۔ [illegible] نہیں ہوں۔ یہ کوئی [illegible]

[illegible] ہو سکتی ہے۔

[illegible] منہ سے نکال کے۔ سعید نے [illegible]

[illegible] انجم نے [illegible]

[illegible] دیا۔

"تو مذاق لگتا نا۔" سعید نے خوش ہوتے ہوئے پوچھا۔

"جی نہیں، مگر۔" انجم نے جواب دیا اور آفس سے باہر نکل آیا۔ سعید اس کے پیچھے تھا۔

"یہ تم آج کل آفس سے چھوٹتے ہی کدھر غائب ہو جاتے ہو۔" اس نے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔ "کہیں کچھ چکر شکر تو نہیں چل رہا ہے۔"

"لاحول ولا قوۃ۔ یار تمہیں کتنی مرتبہ بتایا کہ وہ نہایت بدصورت اور گونگی بہری لڑکی ہے۔ پتہ نہیں کب اس مصیبت سے چھٹکارا نصیب ہوگا"

"بیوی ہے تو گھر جانے کی اتنی کیا جلدی ہے"

"میں آج کل شام کے وقت دو تین گھنٹے لائبریری میں اسٹڈی کرتا ہوں۔" انجم نے جواب دیا۔

"تمہارے پاس دس بیس روپے ہوں گے۔" اچانک سعید نے کہا "تنخواہ ملتے ہی واپس کر دوں گا۔"

"کیا کرو گے۔"

"کچھ کام ہے،" سعید نے ٹالتے ہوئے کہا۔

"سمجھ گیا۔" انجم مسکرایا۔ "طلب جاگے بغیر نہیں مانو گے یوں۔"

"یہ بات نہیں۔" سعید نے جلدی سے کہا۔ "مجھے کچھ دوسری ہی ضرورت ہے۔"

"بہرحال پہلی ضرورت ہو یا دوسری۔ آج کل اپنی جیب بالکل خالی ہے

البتہ کل شام جتنے چاہو لے لینا۔"

"جب آج نہیں ہیں تو کل شام کہاں سے آ جائیں گے۔"

"کل سترہ تاریخ ہے نا۔"

"تو پھر کیا ہوا۔"

"کل انعامی بانڈز کے نمبر اخبارات میں شائع ہوں گے۔"

"اور ہمیں ہزار کا پہلا انعام تمہارے حصے میں آئے گا۔" سعید نے کچھ طنزیہ لہجہ میں کہا۔

"بالکل۔ تم دیکھ لینا۔"

"یہ تو تم گذشتہ سال بھر سے کہتے چلے آ رہے ہو۔"

"مگر اس مرتبہ پہلا انعام ضرور نکلے گا۔ میرا دل کہہ رہا ہے۔"

"یہ بھی تم گذشتہ سال بھر سے کہہ رہے ہو۔"

"ابکی بار میں نے خواب بھی دیکھا تھا۔"

"یہ بات بھی۔۔۔"

"گذشتہ ایک سال سے نہیں کہہ رہا ہوں۔" انجم نے بات کاٹی "خواب دیکھتے ہوئے صرف چھ ماہ ہوئے ہیں۔"

"تو پھر اب تک پہلا انعام کیوں نہیں نکلا۔"

"اب تک میں خواب میں اپنے آپ کو انعام وصول کرتے ہوئے دیکھا کرتا تھا۔" انجم نے بتایا۔

"اور اس مرتبہ۔" سعید نے پوچھا۔

"اس مرتبہ میں نے دیکھا کہ جیسے میں انعام دے رہا ہوں۔" انجم
نے جواب دیا۔ "اور جاگتے ہو گئے۔"

"میرے سوا تمہارے خوابوں میں کون آ سکتا ہے۔" سعید نے مذاق
سے کہا۔ "لاؤ اسی بات پر ہمیں روپے ڈھیلے کرو۔ سعید تھے یا تم سے
نہیں۔ وہ تم نہیں تھے۔"

"پھر کون تھا۔"

"بات بڑی عجیب سی ہے۔" انجم نے بتایا "مگر میں نے دیکھا کہ
میں خود ہی صاحب کو دس ہزار کا پہلا انعام دے رہا ہوں۔"

·

شبانہ نے پانی سے بھرا ہوا گلاس انجم کی طرف بڑھایا تو انجم نے گلاس
کے بجائے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"چھوڑیئے میرا ہاتھ۔" وہ کسی قدر ناگواری سے بولی۔

"اوہو۔ اب ہاتھ پکڑنا بھی گوارا نہیں ہے۔" انجم نے طنز کیا "شاید
اس لیے ناراض ہو کہ میری وجہ سے سہیل نے تمہیں طلاق دے دی۔"

"نہیں میں تو اسے بھی آپ کا ایک احسان ہی سمجھتی ہوں۔" شبانہ کا
جواب بڑا عجیب تھا۔

"کیا مطلب۔" انجم نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ "تو یہ تو لگتا ہے
کہ تم اپنی شادی سے خوش نہیں تھیں۔"

"...کی بات تھی۔" شبانہ نے پانی کا گلاس میز پر رکھتے ہوئے کہا۔
"مجھے شروع سے احساس تھا کہ ان لوگوں کی نظر ایک دوست پر ہے۔"

"گویا تمہیں اس طلاق سے کوئی افسوس نہیں ہوا۔"

"بالکل نہیں میں نے خدا کا شکر ادا کیا تھا۔"

"بڑی عجیب لڑکی ہو تم۔" انجم کچھ سوچ رہا تھا "اچھا ہاتھ پکڑنے
پر کیوں بگڑ رہی ہو۔ پہلے تو مجھ سے بہت محبت سے ملتی تھیں۔"

"وہ ایک مجبوری تھی۔"

"مجبوری۔" انجم چونکا "کیسی مجبوری؟"

"میرا خیال تھا کہ آپ عام لوگوں کی طرح اس موقع سے فائدہ
اٹھانے کی کوشش کریں گے۔"

"کیا۔" انجم نے حیرت سے شبانہ کے خوبصورت سے چھپے ہوئے
چہرے کی طرف دیکھا۔ "فرض کرو میں بھی کرتا تو پھر۔"

"تو پھر یہ۔ مجھے ڈر تو تھا کہ تمہیں ایک دوست سسٹم پر چھین جاتے
ان کو سمجھنا خود ہی کی غلطی ہو گا۔ مگر شاید عقیدہ صاحب ان
دوستی کے خیال سے خاموش رہے۔ میں ان لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرنا
چاہتی تھی۔ مگر یہ نہیں کہوں گی آپ کا رد عمل بڑا مایوس کن تھا۔ اگر میں ان
لوگوں کو موقع دیتی ہے نے دیکھنے کا بہانہ کرتی تو آپ نے تو میری ساری
کوششوں پر پانی پھیر دیا تھا۔"

"بڑی عجیب لڑکی ہو تم۔" انجم نے دوبارہ کہا۔ اور گلاس اٹھا کر

پانی پینے لگا۔

"اگر آپ کھانا کھا چکے ہوں تو میں ٹرے اٹھا کر لے جاؤں۔" شبانہ نے پوچھا۔

"ہاں لے جاؤ۔" انجم کسی خیال میں ڈوبا ہوا تھا۔

شبانہ نے کھانے کی ٹرے اٹھائی اور دروازے کی طرف چلی پھر رک کر گھوم کر انجم کی طرف دیکھا۔

"آپ نے اس وقت میرا ہاتھ کیوں پکڑا تھا؟" اس نے آہستہ سے پوچھا۔

"اوہ ہاں۔" انجم اپنے خیالات سے چونکا۔ "میں یہ کہنا چاہتا تھا، کل صبح اخبار پہلے میں دیکھنا چاہتا ہوں۔"

وہ مسکرایا۔

"جب سے غوری صاحب نے قبضہ کیا ہے اخبار کبھی صحیح و سالم حالت میں مجھ تک نہیں پہنچا۔"

"میں ابو کی بعض باتوں کے سلسلہ میں آپ سے شرمندہ ہوں۔" شبانہ نے افسردگی سے جواب دیا۔ "اپنے وطن میں ہمارے حالات یہ نہیں تھے وہ جن باتوں کے عادی رہے ہیں اب اس عمر میں چھوڑنا مشکل ہے۔ آپ اطمینان رکھیں کل سے اخبار پہلے آپ کے ہاتھوں میں ہوا کرے گا۔"

شبانہ یہ کہہ کر کمرے سے چلی گئی۔ انجم اپنے خیالات میں کھویا ہوا بہت دیر تک جاگتا رہا۔ آج چھ سات دن ہو گئے تھے مگر تجویز اس

کے بعد سے لائبریری میں نظر نہیں آئی تھی۔ اس نے خلیق صاحب سے بھی معلوم کیا تھا اور انھوں نے بھی یہی بتایا کہ اس روز کے بعد وہ ابھی تک کتابیں واپس کرنے بھی نہیں آئی ہے۔ مگر یہ کہ دو کتابیں لے گئی تھی۔ پڑھنے میں کچھ وقت تو لگتا ہی ہے۔ شاید آج کل میں آنے والی ہو۔ پتہ نہیں اس دن تعاقب کرنے کے سلسلہ میں وہ ناراض نہ ہو گئی ہو۔ حالانکہ انجم کا مقصد صرف یہ تھا کہ اس کے گھر اور گھر والوں کے حالات معلوم کر کے ممکن ہو سکے تو اپنی والدہ کے ذریعہ شادی کا پیغام دے۔

دوسرے دن صبح انجم منہ ہاتھ دھو کر کمرے میں واپس آیا تو ناشتہ کی ٹرے کے قریب ہی اخبار بھی رکھا ہوا تھا۔ اس نے جلدی سے اخبار اٹھا کر ورق گردانی شروع کر دی۔ انعامی بانڈز کی فہرست دوسرے صفحہ پر دی گئی تھی۔ انجم نے اخبار کا دوسرا صفحہ سامنے رکھا اور میز کی دراز سے نوٹ بک جس میں اس نے بانڈز کے نمبر نوٹ کر رکھے تھے نکال کر نمبر چیک کرنے لگا۔ اس کے پاس دس روپے والے دس انعامی بانڈ تھے۔ ابھی وہ پانچویں نمبر تک ہی پہنچا تھا کہ اچھل پڑا۔

سات تین ایک ایک پانچ چھ۔ اس نے ایک ایک عدد چیک کیا پھر دوبارہ بے اختیار اس نے اخبار کے دوسرے صفحہ کو چوم لیا۔ قسمت آج مہربان ہو گئی تھی۔ اس کا پہلا انعام نکل آیا تھا۔ بیس ہزار نقد کا پہلا انعام۔

وہ لپک کر ٹیلیفون کے قریب پہنچا۔ آپ ہی آپ اس کے

ہونٹوں پر ایک شریر مسکراہٹ آگئی۔ سعید نے الماری بند دروازوں کی تلاش میں الماریاں، میز کی درازیں، کوٹ کی جیبیں اور جانے کہاں کہاں تلاش لے ڈالی تھی۔ مگر اسے کبھی بھول سے بھی خیال نہیں آیا کہ انجم جن کتابوں کو سب سے زیادہ عزیز رکھتا ہے ان میں بھی جگہ ہے۔ اس نے الماری بانڈ خریدے اس ہی کتابوں کے کور میں چھپا کر رکھ دیئے تھے۔ اور ہر بانڈ کے نمبر کا پہلا اور آخری عدد کتاب کے اوپر لکھ دیا تھا۔ اس نے ایک شیلف پر نگاہ ڈالی۔ کتابیں کچھ کم معلوم ہو رہی تھیں۔

"تیرہ، چبیس، چھپن" اس نے کتابوں کے کور پر لکھے ہوئے نمبر پڑھنا شروع کئے۔ چھتیس، ترپن، پچپن۔ کسٹھ، سرسٹھ۔ انجم کا دل دھک سے ہو گیا۔ بہتر اور چھہتر نمبر کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے دوبارہ بڑی احتیاط سے نمبر دیکھے مگر آٹھ ہی کتابیں تھیں نمبر وار نو یا دس، دسویں کتاب شیلف سے غائب تھی۔

غوری صاحب۔ اس نے چونکتے ہوئے کہا۔ ضرور غوری صاحب کتاب لے گئے ہوں گے۔ ان بڑے میاں نے تو سچ مچ ناک میں دم کر دیا ہے۔

انجم تقریباً بھاگتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ غوری صاحب، بیٹھے میں ناشتہ کر رہے تھے۔ آہٹ سن کر انہوں نے نظر اٹھا کر انجم کی طرف دیکھا۔

اچھا ہوا برخوردار تم خود ہی آ گئے۔ وہ چائے کی پیالی رکھتے ہوئے بولے۔ ورنہ ابھی میں آتے والا تمہارے حساب میں۔ یہ شبانہ

کہہ رہی تھی کہ تم نہیں چاہتے کہ میں یہ کتابیں پڑھوں۔

میں نے آپ سے کہا تھا۔ انجم نے غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا۔ کہ الماری میں سے جتنی چاہیں کتابیں نکال کر پڑھیں مگر میرے بک شیلف کو ہاتھ نہ لگائیں۔"

"ہاں کہا تو تھا" غوری صاحب دوسری طرف دیکھنے لگے۔

"مگر اس کے باوجود آپ شیلف سے ہی کتابیں اٹھا رہے ہیں۔"

"کئی تو نہیں صرف چار یا پانچ ہی میں نے لی تھیں۔ بے حساب ہیں۔"
غوری صاحب نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

"تو براہ کرم وہ کتابیں واپس کر دیں۔ مجھے ان کی شدید ضرورت ہے۔"

"ایک دم چار پانچ کتابوں کی یہ ضرورت پڑ گئی۔"

"آپ کو اس سے کیا مطلب، کتابیں میری ہیں۔ آپ مجھے واپس کر دیں۔"

غوری صاحب کسی قدر جھجک کر اٹھے۔ الماری کھول کر دیر کے حالانے سے تین کتابیں نکالیں اور انجم کے ہاتھ میں دے دیں۔

"یہ لو برخوردار" انہوں نے کہا۔ "مگر تمہاری یہ بات مجھے کچھ اچھی نہیں لگی۔ کتابیں میرے پاس رکھی ہیں تو تمہارے حساب میں اور تمہارے پاس رکھی ہیں تو تمہارے حساب میں۔ آخر ہیں تو گھر ہی میں۔"

"یہ تو صرف تین ہی ہیں" انجم نے دھڑکتے دل سے دیکھا۔ چھہتر نمبر والی کتاب ان میں بھی نہیں تھی جسے یاد کیا تھا موجود کتابیں رکھیں

وہ عذرا اور عذرا کی واپسی تھیں۔ رائڈر ہیگرڈ کے دونوں ناولوں کا سب سے پہلا اردو ترجمہ جو اب تقریباً نایاب تھا۔

"باقی دو بھی یہیں کہیں رکھی ہوں گی۔" غوری صاحب نے لاپروائی سے جواب دیا۔ "ابھی انہیں لے جاؤ۔ شام تک وہ بھی تلاش کر دوں گا تمہارے حساب میں۔"

"مجھے ابھی ان کی ضرورت ہے۔" انجم نے بڑھتے ہوئے غصے کو دبایا۔

"تو میں ذرا ناشتہ تو کر لوں۔"

"ناشتہ بعد کر لیجئے گا پہلے کتابیں تلاش کر کے دے دیجئے۔" انجم نے تیزی سے کہا۔ "ان کے نام عذرا اور عذرا کی واپسی ہیں۔"

"عذرا اور عذرا کی واپسی۔" غوری صاحب نے خیال انگیز لہجہ میں دہرایا۔ "وہ تو شاید میں نے کسی کو پڑھنے کے لئے دے دی ہیں تمہارے حساب میں۔"

"کسے دے دی ہیں۔"

"میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔" غوری صاحب نے جیسے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "ممکن ہے پڑوس کے میر صاحب لے گئے ہوں۔ ممکن ہے میرے بکس میں رکھی ہوں۔"

"تو اٹھ کر دیکھ کیوں نہیں لیتے۔" انجم جھلا کر بولا۔

"برخوردار میں ناشتہ چھوڑ کر اٹھنے کا عادی نہیں ہوں۔ تمہارے

حساب میں۔" غوری صاحب نے جواب دیا۔ "کوئی بہت ہی ضروری بات ہو تو دوسری بات ہے۔ مگر میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ آخر تمہیں اچانک ان دو کتابوں کی کیا ضرورت آ پڑی ہے۔"

"یہ میں بہتر سمجھ سکتا ہوں۔" انجم اخفائی بات کا راز کھولنے کے لئے تیار نہیں تھا۔

"تو برخوردار میں کچھ اتنا ناسمجھ نہیں ہوں۔ ذرا سمجھانے کی کوشش کرو۔ شاید میں بھی سمجھ جاؤں۔" غوری صاحب نے ایک پورا توس منہ میں بھرتے ہوئے جواب دیا۔

"افوہ آپ کیوں مجھے پریشان کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔"

"میں پریشان کرنے پر تلا ہوا ہوں یا تم۔"

"تو آپ اٹھ کر کتابیں دے کیوں نہیں دیتے۔"

"اور تم مجھے وجہ کیوں نہیں بتا دیتے۔"

"تو آپ وہ کتابیں نہیں دیں گے؟"

"دینے سے کب انکار کیا ہے۔" غوری صاحب منہ چلاتے ہوئے بولے۔ "مگر برخوردار وجہ بھی تو معلوم ہو۔"

"اچھا مجھے بتا دیجئے کس بکس میں رکھی ہیں۔ میں خود نکال لوں گا۔"

"سارے بکس الٹ پلٹ کر کے رکھ دو گے برخوردار۔ میں بھی تو یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ کسی بکس میں ہی رکھی ہیں۔ ممکن ہے میر صاحب لے گئے ہوں تمہارے حساب میں یا پھر ممکن ہے میں کہیں اور رکھ کر بھول

گیا ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔" انجم آگے بڑھتے ہوئے بولا۔ "میں خود ہی دیکھ لیتا ہوں۔"

غوری صاحب اطمینان سے ناشتہ کرتے رہے اور انجم نے پورا کمرہ چھان مارا۔ الماری میں، بستر میں، میز پر، اس کی تمام درازوں میں مگر کتابیں کہیں نہیں ملیں۔ "پھر وہ سوٹ کیس کی طرف متوجہ ہوا۔

"برخوردار تالا لگا ہے تمہارے حساب میں۔" غوری صاحب نے سر ہلایا۔ انجم نے دیکھا سوٹ کیس واقعی مقفل تھا۔

"چابی لائیے۔"

"چابی شبانہ کے پاس ہے۔"

انجم تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔ شبانہ باورچی خانہ میں تھی۔

"تمہارے پاس غوری صاحب کے سوٹ کیس کی چابی ہے۔" انجم نے پوچھا۔

"جی نہیں۔ ان کے سوٹ کیس کی چابی ان ہی کے پاس رہتی ہے۔" شبانہ نے جواب دیا۔

انجم جانے کے لیے گھوما۔ کچھ خیال آیا، رک گیا۔

"تم نے میری وہ کتابیں عذرا اور عذرا کی واپسی تو کہیں نہیں دیکھیں۔" اس نے پوچھا۔

"نہیں تو۔ کہاں رکھی تھیں؟"

"یہیں بک شیلف پر۔"

"آپ نے بوا سے پوچھا؟"

"ان ہی سے پوچھ رہا ہوں۔ کچھ پوچھ چکا ہوں اور باقی پوچھنے جا رہا ہوں۔" انجم نے تیزی سے جواب دیا اور چلا گیا۔

غوری صاحب بدستور ناشتہ میں مصروف بلکہ منہمک تھے۔

"شبانہ کہتی ہے کہ چابی آپ کے پاس ہے۔" انجم نے گھورتے ہوئے کہا۔

"تو پھر میرے ہی پاس ہوگی تمہارے حساب میں۔" چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے جواب ملا۔ "مگر برخوردار ملے گی اس وقت جب تم وجہ بتاؤ گے۔"

"اگر آپ کی یہی ضد ہے تو میں قیامت تک وجہ نہیں بتاؤں گا۔" انجم لاضبط جواب دے گیا۔

"تم تو اس طرح گھبرا رہے ہو برخوردار جیسے ان کتابوں میں کوئی قیمتی خزانہ چھپا ہوا تھا۔" غوری صاحب نے جواب دیا۔ "معمولی کتابیں ہی تو ہیں۔ فرض کرو نہیں بھی ملیں تو نئی خرید لو، دو روپے کا معاملہ ہے تمہارے حساب میں۔"

"ایک تو وہ کتابیں نایاب ہیں، دوسرے اگر کہیں مل بھی جائیں تو مجھے کسی کی ضرورت نہیں۔ مجھے وہی پرانی کتابیں چاہئیں۔"

انجم گھبرا رہا تھا نہ صرف اس لیے کہ کتابیں نہیں مل رہی تھیں

بلکہ اس لیے بھی کہ اگر کہیں غوری صاحب کو شبہ بھی ہو گیا کہ ان میں سے ایک کتاب میں بیس ہزار روپے کا انعامی بانڈ رکھا ہے تو پھر اسے ان بیس ہزار روپیوں سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔

"تم اطمینان سے دفتر جاؤ برخوردار میں تمہاری کتابیں تلاش کر چھوڑوں گا مگر دوں گا اسی وقت تمہارے حساب میں جب تم وجہ بتاؤ گے۔"

"آپ کتابیں دے دیں میں وجہ بھی بتا دوں گا۔"

"پہلے وجہ۔" غوری صاحب نے سر ہلایا۔

"پہلے کتابیں۔"

"اوں ہنہ۔ پہلے وجہ۔"

"جی نہیں پہلے کتابیں۔"

"ناممکن۔ پہلے وجہ پھر کتابیں تمہارے حساب میں۔"

انجم کئی لمحے غوری صاحب کو غصیلی نظروں سے گھورتا رہا پھر جھلا کر دانت پیستا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

"بس یار کیا بتاؤں جان جل کر رہ گئی۔" انجم نے کہا۔ "ذرا سوچو سال بھر کی دعاؤں کے بعد اللہ میاں نے بگڑی بنائی۔ پیدا انعام نکلا اور وہ بڑے میاں کتابیں دبا کر بیٹھ گئے ہیں۔"

"سچی ایمان کی بات یہ ہے کہ مجھے ابھی تک یہ ہی یقین نہیں آتا کہ تمہارا انعام نکل آیا ہے ورنہ وہ بھی کم از کم زیادہ پورا بیس ہزار۔" سعید نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"حد ہو گئی۔ تمہیں نوٹ بک دکھا چکا ہوں۔ اخبار میں چھپا ہوا نمبر دکھا چکا ہوں اور اس پر بھی تمہارا اعتبار نہیں ہوتا۔"

"اخبار تک تو خیر ٹھیک ہے مگر نوٹ بک میں اپنے ہاتھ سے نمبر لکھنے میں کیا دیر لگتی ہے۔"

"اوہ۔" انجم نے بال نوچ لیے۔ "اب میں اپنا سر پتھر سے دے مارا کروں گا۔ مجھے کیا ضرورت تھی خطرناک جھوٹ بولنے کی۔"

"تو پھر بانڈ دکھاؤ۔ ذرا ہم بھی تو اس کے درشن کر لیں۔"

"وہ ہی تو اتنی دیر سے بتا رہا ہوں کہ میں نے دس کتابوں میں دس بانڈ ان کے کور میں چھپا کر رکھ دیے تھے۔" انجم نے بتایا۔ "وہ کتابیں غوری صاحب اٹھا کر لے گئے۔ اور انعامی بانڈ ان ہی میں سے ایک کتاب کے اندر رکھا ہے۔"

"بھیا دوستوں سے چھپا چھپا کر رکھو گے انعامی بانڈ تو یہی حشر ہوگا۔"

"جی ہاں آپ کو کلبوں میں اڑانے کے لیے دے دیتا تاکہ وہ بانڈ جس پر انعام نکلا ہے آپ کہیں خرچ کر چکے ہوتے اور میں ہاتھ ملتا رہ جاتا۔" انجم نے بگڑتے ہوئے کہا۔

"ہاتھ تو اب بھی مل رہے ہو۔"

"یہ بھی تمہاری وجہ سے۔" انجم نے منہ بنایا۔ "نہ تم اس آفت کو میرے گھر لاتے اور نہ یہ دن دیکھنا پڑتا۔"

"تو آخر غوری صاحب کتابیں واپس کیوں نہیں دیتے؟" سعید نے کچھ حیرانی سے پوچھا۔

"یہی بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔"

"کہیں ایسا تو نہیں کہ انہیں بھی اس بات کا پتہ چل گیا ہو۔"

"یہ ناممکن ہے۔ خط صبح سب سے پہلے میرے ہاتھ میں آیا تھا۔ انعامی بانڈ اس طرح تو نہیں رکھا تھا کہ کتاب کھولتے ہی نظر آجائے۔"

سعید نے پوچھا۔

"میں نے بتایا نا کور میں چھپا ہوا تھا۔ مگر تم نے یہ کیوں پوچھا؟"

"اس لیے کہ اگر بانڈ غوری صاحب کو نظر آگیا ہو تو پھر اس پر فاتحہ پڑھ لینا چاہیے۔"

"کیا مطلب؟"

"تمہیں معلوم ہے کہ وہ مٹھائی کے کتنے شوقین ہیں اور آج کل جیبیں بالکل خالی ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ انہوں نے بانڈ کی بھی مٹھائی نہ کھالی ہو۔"

"تمہارے منہ میں نرگس کے جوتوں کی خاک۔" انجم گھبرا کر چلایا۔ "کیا واہی تباہی باتیں منہ سے نکالتے ہو۔ دیکھتے نہیں صبح سے دل بیقرار ہے۔ ایک گھڑی چین نصیب نہیں ہے۔ ایسا ہوا تو بس

بڑے میاں کو اپنے ہاتھ سے پھانسی پر چڑھا دوں گا اور اس مرتبہ رسی بھی نہیں ٹوٹے گی۔"

"بیچارے چچا صرف بیس ہزار روپے کے لیے اپنے خسر صاحب کا خون کر دیں گے۔"

"تمہارا خون خشک آتا اور پھر بانڈ سے متعلق پوچھتا کہ کیا مسئلہ ہے۔"

"تو پھر اب کیا ارادہ ہے؟" سعید نے پوچھا۔

انجم نے کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ میز پر رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ سعید نے بڑھ کر ریسیور اٹھایا چند لمحے سنتا رہا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"تمہارا فون ہے۔" اس نے ریسیور انجم کی طرف بڑھا دیا۔

"کون ہے؟" انجم نے تیوری پر بل ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے تو کوئی بھینس ڈکراتی ہوئی سنائی دی تھی۔" سعید نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھتے ہوئے جواب دیا۔

"پھر تم نے یہ کیسے کہہ دیا کہ میرا فون ہے۔"

"جب سے ایک مدت کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا ہے جانوروں کی بولی بھی سمجھنے لگا ہوں۔"

"اسی لیے ابھی کچھ دیر پہلے فون آیا تھا تو مرغا بن کر کہہ رہے تھے بھکڑ گیا بھائی صاحب۔" انجم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ کوئی آدھ گھنٹہ پہلے سعید کے بڑے بھائی کا فون آچکا تھا۔

سعید جھینپ سا گیا۔

"اچھا اب آپ ریسیور رہنے دیجیے ورنہ پھر میں کہہ دوں گا کہ انجم صاحب کہیں گئے ہوئے ہیں۔" وہ بولا۔

"لا دیجیے، ممکن ہے ہمارے دودھ والے کی بھینس بات کرنا چاہتی ہو۔" انجم نے ریسیور لے لیا۔ "وہ غریب دو دن سے چکر لگا رہا ہے مگر کانجی ہاؤس والے بغیر نذرانہ وصول کیے بات سننے پر آمادہ نہیں ہیں۔"

"ہیلو۔" انجم نے ریسیور میں کہا۔ "کون ہے؟"

"میں ہوں، آپ کی تصویر۔" دوسری طرف سے جواب ملا۔ انجم نے چونک کر ریسیور کان سے ہٹا لیا۔

"تم تو کہہ رہے تھے کوئی بھینس ذکر رہی ہے۔" انجم نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ "مگر یہ تو کوئی لڑکی معلوم ہوتی ہے۔"

"میں نے کہا تھا نا۔" سعید نے سر ہلایا۔ "کہ اس فون میں کچھ گڑبڑ ہے مگر تم مانتے ہی نہیں تھے۔ سچ کہتا ہوں میں نے جب سنا تھا تو صاف بھینس کی آواز لگ رہی تھی۔"

"مجھے نہیں معلوم تھا۔" ریسیور میں سے آواز آئی۔ "کہ جب آپ کلبھوتے ہیں تو لڑکی مرغی نظر آنے لگتے ہیں۔ تبدیلی ہیئت تک تو خیر کوئی بات نہیں تھی مگر جنس کی تبدیلی افسوسناک ہے۔"

"جی ہاں۔" انجم نے جواب دیا۔ "آپ کو افسوس نہ ہوگا تو اور

کس کو ہوگا۔"

جواب میں ایک بڑا دلکش اور مترنم قہقہہ سنائی دیا۔

"دلکشی اور ترنم سے باتوں میں کوئی نہیں جیت سکتا۔"

"یہ تو آپ اپنی بات کہہ رہی ہیں محترمہ، آپ سے تو حسین کی زبان دانی کا ہی طوطی بولتا رہا ہے۔"

"جی ہاں۔ مگر نقارخانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے۔"

"درست ہے لیکن نقارے کی چوب بھی تو آپ لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ ذرا آہستہ بجایا کریں۔"

"دیکھیے آپ نے پھر مجھے جواب دے دیا۔"

"بہت خوب۔ خواتین اپنی تعریف کا کوئی موقع ہے ہاتھ سے جانے نہیں دیتیں۔ مان لیا آپ لاجواب ہیں۔ چلیے آگے بولیے۔"

"آپ کل رات کلب کیوں نہیں آئے؟" ایک اور دلکش قہقہے کے بعد پوچھا گیا۔

"نو دلچسپی۔ آئی ایم سوری مادام۔"

"آپ کا مطلب ہے کلب میں کوئی دلچسپی نہیں تھی؟"

"میرا مطلب ہے کہ مجھے بیویوں کی فوج اکٹھی کرنے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"یہ تو آپ نے ایک اور پہیلی ڈال دی۔ اب اس کا مطلب پوچھنا ہوگی۔"

"ضرور پوچھیے۔" انجم نے جواب دیا۔ "اس کا مطلب ہے کہ

میں اپنے لئے ایک بیوی پسند کر چکا ہوں۔"

"کون — شبانہ یا تنویر؟"

"آپ انہیں کیسے جانتی ہیں۔" انجم واقعی حیرت زدہ رہ گیا۔

"یہ پوچھئے کہ میں آپ کے بارے میں کیا نہیں جانتی۔"

"آپ کی معلومات حیرت انگیز ہیں۔" انجم نے سنبھلتے ہوئے کہا۔

"لیکن آپ اتنا کچھ جانتی ہیں تو مجھ سے پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی۔"

"میں سمجھ گئی آپ تنویر کو چاہتے ہیں۔" جواب ملا۔ "مگر آپ نے کوئی اچھا انتخاب نہیں کیا۔"

"شبانہ آپ اس سے لاکھ درجہ اچھی ہوں گی۔" انجم کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"بلاشبہ۔ مگر میں اس وقت کچھ اور ہی کہنا چاہتی تھی۔ تنویر بہت ہی بدمزاج اور مغرور لڑکی ہے۔ اور آپ کی دسترس سے بہت دور۔ اس کے پیچھے بھاگنا، کسی سائے کا تعاقب کرنا برابر ہے۔ آپ اسے حاصل نہیں کر سکتے۔ اس لئے کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ اس کا خیال چھوڑ کر کسی ایسی لڑکی کو پسند کر لیں جسے آپ اپنا بنا سکیں۔"

"مثال کے طور پر آپ؟"

"مجھ سے اگر آپ کو کوئی خاص چڑ ہے تو مثال کے طور پر شبانہ۔"

"معاف کیجئے محترمہ۔ آپ غلط دروازے پر دستک دے رہی ہیں۔" انجم نے کہا۔ "آپ کے سوا دنیا کی ہر لڑکی کے لئے میرا

یہی جواب ہے۔"

"ایک تنویر کو چھوڑ کر۔ یہ بھی تو کہیئے۔"

"اب آپ خود سمجھدار ہیں میں کیا عرض کروں۔"

"شکریہ۔ بالکل غیر متوقع جواب ملا" اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔ انجم نے بھی ریسیور رکھ دیا۔

"کاش کوئی ہم سے بھی فون پر اتنی اتنی دیر تک باتیں کیا کرتا۔" سعید نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

"کیوں۔ کیا نرگس نے طلاق دے دی تمہیں۔" انجم مسکرایا۔

"لاحول ولا قوۃ جب بولو گے الٹی ہی بولو گے۔" سعید نے منہ بنایا۔

"ابھی کچھ دن پہلے میں نے تمہیں دور سے بانو روڈ پر ساتھ ساتھ دیکھا تھا۔" انجم نے کہا۔ "برا نہ ماننا۔ نرگس بڑی دبنگ لڑکی ہے۔ اگر کہیں سچ مچ تمہاری اور اس کی شادی ہو گئی تو تم دونوں میں شوہر کا لفظ اسی پر اچھا معلوم ہوگا۔"

"تم ہماری فکر چھوڑو صاحبزادے۔" سعید نے بغیر برا منائے کہا۔ "ہم دونوں باری باری میاں بیوی بن کر گزارا کر لیں گے۔ یہ بتاؤ تم نے چپکے چپکے کیسے بیوی منا لیا ہے۔ کیا شبانہ کو؟"

"استغفر اللہ۔" انجم کو یک دم جیسے کچھ ہوش ہو گیا۔ "اس فون کے چکر میں میں یہ تو بھول ہی گیا کہ بڑے میاں سے بیس ہزار روپے کا بانڈ واپس لینا ہے۔"

"بات ٹال رہے ہو ستارہ؟" سعید نے سر ہلایا۔ "مگر خیر اس وقت
یار لوگ ضد نہیں کریں گے۔ مال کی بات ہے، ہونا چاہیے۔ ہاں تو
تم یہ بتاؤ کہ تم غوری صاحب سے وہ کتاب جلد کتنے میں
کس طرح حاصل کرو گے۔"

انجم نے گزشتہ نصف گھنٹے کے عرصے میں پچاسویں بار دیوار
پر لگے ہوئے کلاک کی طرف دیکھا۔ ساڑھے نو بج کر چالیس منٹ ہو رہے
تھے۔ غوری صاحب کے آنے کی ابھی کوئی دس منٹ باقی
رہ گئی تھی۔ غرض ایک مرتبہ پھر اپنے پلان کا جائزہ لیا۔ شام کو دفتر
سے واپسی کے بعد غوری صاحب سے ایک جھڑپ ہو چکی تھی۔
اور انہوں نے صاف کہہ دیا تھا کہ کتاب ان کے پاس ہے مگر وہ
اس وقت تک دینے کے لیے تیار نہیں ہیں جب تک انجم یہ نہ
بتا دے کہ اسے دفعتاً ان کتابوں کی کیا ضرورت پڑ گئی ہے۔ دوسری
طرف انجم جب تک کتاب ہاتھ میں آئے بغیر اپنا قیمتی راز کیسے کھول
سکتا تھا۔ شبانہ اس جھگڑے سے الگ تھی بالکل بے تعلق سی بنی تھی
مگر جانے کیوں انجم نے یہ محسوس کیا جیسے وہ اس صورت حال
سے لطف لے رہی ہو۔ غوری صاحب نے سوٹ کیس کی چابی انجم
کو دکھاتے ہوئے اپنے تکیے کے نیچے رکھ دی تھی کہ یہ چابی اس

وقت تک یہیں رہے گی تمہیں نہیں مل سکتی جب تک تم وجہ نہ بتاؤ۔

مکان کا نقشہ کچھ اس طرح تھا۔ دروازے سے ایک لمبی
راہداری صحن تک جاتی تھی۔ اس کے سامنے صحن پار کرکے باورچی خانہ
غسل خانہ اور بیت الخلا واقع تھے۔ صحن کے داہنی جانب انجم کا کمرہ
تھا اور بائیں جانب دو کمرے ساتھ ساتھ بنے ہوئے تھے جن میں
آج کل غوری صاحب اور شبانہ کا قیام تھا۔ پہلے غوری صاحب
کا کمرہ پڑتا تھا اور اس کے بعد شبانہ کا۔ ان دونوں کمروں کا ایک
ایک دروازہ صحن کی جانب تھا اور ایک دروازہ دونوں
کمروں کے درمیان واقع ہوا تھا۔ گویا شبانہ کے کمرے سے غوری
صاحب کے کمرے میں اور غوری صاحب کے کمرے سے شبانہ کے کمرے
میں بغیر صحن کی طرف آئے جایا جا سکتا تھا۔

انجم کا ارادہ بجلی جلانے کا ہرگز نہیں تھا۔ اسے معلوم تھا کہ
روشنی میں غوری صاحب کی آنکھ فوراً کھل جاتی ہے۔ اس نے ذہن
میں کمرے کا نقشہ جمانے کی کوشش کی۔ صحن کے دروازے سے اندر
جاتے ہی داہنے ہاتھ کی طرف کپڑوں کی الماری تھی اور اسی طرف
دوسری دیوار سے لگی ہوئی میز اور کرسی۔ غوری صاحب نے پلنگ
الٹے ہاتھ کی طرف ٹھیک اس دروازے کے سامنے بچھایا ہوا تھا
جس سے گزر کر شبانہ کے کمرے میں داخل ہو جا سکتا تھا... پلنگ
اگرچہ چوڑائی میں بچھا تھا مگر اس انداز سے کہ بغیر اس سے ٹکر کر

گزرے ہوئے کوئی شبانہ کے کمرے میں نہیں جا سکتا تھا۔ صحن کی طرف کا دروازہ غوری صاحب کے حکم کے مطابق دن رات بند رہتا تھا۔ انجم آپ ہی آپ مسکرایا۔ یہ احتیاط غالباً اس لیے کی تھی کہ کہیں وہ کسی پیسے ویسے ادھر ادھر سے شبانہ کے کمرے میں جانے کی کوشش نہ کرے۔ پتہ نہیں بڑے میاں اپنی بدصورت بیٹی کو کوہ قاف کی پری سمجھتے تھے یا کیا۔ اس نے تو رات میں بھی کبھی سنجیدگی سے شبانہ کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ یہ جواب ہے کہ [illegible] ذرا سی ہوتی بھئی خیر۔ انجم نے سوچا۔ اب اتنی [illegible] بھی کیا ہوتی ہوگی۔

تو بائیں جانب غوری صاحب کا پلنگ شبانہ کے کمرے کی چوکیداری کر رہا ہے۔ انجم نے دوبارہ غور کرنا شروع کیا۔ ڈرائنگ روم کے پلنگ کے نیچے وہ سوٹ کیس ہے جس میں کتابیں بند ہیں۔ چابی غوری صاحب کے تکیے کے نیچے رکھی ہے۔ اس نے آنکھیں بند کر کے پوری ذہنی یکسوئی سے سوچا۔ راستہ میں کوئی ایسی چیز تو نہیں جس سے ٹکرانے کا احتمال ہو۔ جب وہ شام کے وقت کمرے سے واپس آیا تھا تو دونوں کرسیاں اور صوفہ سیٹ اپنی اپنی جگہ رکھے ہوئے تھے۔ سوائے اس صورت کے کہ غوری صاحب نے کوئی کرسی گھسیٹ کر پلنگ کے قریب رکھ لی ہو۔ اور کسی چیز کے راستے میں ہونے کی امید نہیں تھی درا صل یہ کوئی ایسی وجہ نہیں تھی کہ آج ہی خاص طور سے وہ کرسی کا غیر معمولی استعمال شروع کر دیں۔ انجم کو اطمینان ہو گیا کہ صحن کے

دروازے سے سوٹ کیس تک کوئی چیز اس کا راستہ روکنے کے لیے موجود نہیں ہوگی۔

اس نے پھر کلاک کی طرف دیکھا۔ ایک بجنے میں دس منٹ تھے۔ وقت بڑی سست رفتاری سے گزر رہا تھا۔ وہ آہستہ سے اپنے پلنگ سے نیچے اترا۔ کچھ دن پہلے پلنگ میں کھٹمل مار دوائی کے تیل میں [illegible] ڈالی تھی۔ جب سے کھٹمل کی چولیں اپنے آپ کو شوقیہ گانے والوں میں شمار کرنے لگی تھیں۔ مگر انجم کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ ایک سر بھی بلند نہیں ہوا۔ کم سے کم اترتے وقت دیکھ کر ابھی اس نے دو ہی قدم طے کئے تھے کہ چولوں نے ایک الاپ لیا۔ انجم جلدی سے یوں پیچھے ہٹ گیا جیسے اس کا قدم کسی خفیہ بجلی پر پڑ گیا ہو جس کا تعلق پلنگ سے تھا۔ ایک منٹ تک وہ بالکل ساکت کھڑا رہا پھر ذرا رخ بدل کر آگے بڑھا۔ بجلی والی بات وہم ہی سہی مگر احتیاط بڑی اچھی چیز ہے۔ ایک قدم اٹھایا اور گھوم کر پلنگ کی طرف دیکھا شکر ہے اس مرتبہ کوئی تان بلند نہیں ہوئی۔ پلنگ بالکل خاموش تھا۔ وہ دبے پاؤں کمرے سے باہر نکل آیا۔

صحن پار کرنا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ ورنہ شاید ہوتا۔ بشرطیکہ اس کا پاؤں میر صاحب کی سیاہ بلی کی دم پر نہ پڑ جاتا۔ جو روز کی طرح آج بھی چوہوں کی تلاش میں بیچ صحن میں باورچی خانے کی طرف منہ کئے بیٹھی تھی۔ میاؤں کی ایک خوفناک آواز کے ساتھ بلی نے

جھپٹ کر پنجہ مارنے کی کوشش کی مگر نجم کی پھرتی قابلِ دید تھی۔ وہ اس
سے پہلے ہی بچ نکلنے کے دروازے کی آڑ میں کھڑا دل کی دھڑکنیں
شمار کر رہا تھا۔ ویسے وہ یہ بھی طے کر چکا تھا کہ اگر بلی سے پیر صاحب
کی بلی حد میں نظر آئے تو وہ بلی کی ٹانگیں توڑ دے گا۔ مگر اس غصے کے
باوجود اکیلے پانچ منٹ تک اسے کمرے سے باہر قدم نکالنے کی ہمت
نہیں ہوئی۔ غنیمت یہ تھا کہ بظاہر معلوم ہوتا تھا کہ غوری صاحب اور
شہناز دونوں بے جی کی مدد سے محتاج کو دور خود استانہیں سمجھا۔ دونوں
کمرے مستور تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے۔

ٹھیک ایک بجے نجم نے دوسری مرتبہ کمرے سے قدم باہر
نکالا۔ مگر یہ جب دو مرتبہ تھا اس کا اطمینان کرنے سے پہلے نہیں۔ اس بار
وہ بیچ بیچ پھونک پھونک کر قدم بڑھا رہا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ
پھونکوں کا رخ آسمان کی جانب تھا اور قدم زمین پر پڑ رہے تھے
یوں آپ سے آپ نہیں ہوتیں۔ کبھی گہری گہری سانسیں کہیں۔ کبھی کبھی
پھونکوں اور سانسوں میں تمیز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ خاص طور سے
اندھیرے میں۔ وہ سوچ رہا تھا پتہ نہیں یہ صحن آج اتنا لمبا کیوں
ہو گیا تھا۔ کسی طرح ختم ہونے میں ہی نہیں آتا۔

غوری صاحب کے کمرے تک پہنچتے پہنچتے نجم کو دس منٹ
ضرور لگ گئے ہوں گے۔ دروازے پر ایک محراب کر اس نے آہٹ
لی۔ پورے گھر میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اس نے ایک مرتبہ پھر اندھیر

متعین کر کے غوری صاحب کے پلنگ کی نشست کو ذہن میں تازہ کیا اور
دو ایک قدم بڑھ گیا۔ اندازے کے مطابق تقریباً تین قدم چل کر پلنگ کی
پٹی ملنا چاہیے تھی۔ نجم نے اندھیرے میں ہاتھوں کو ادھر ادھر
حرکت دی مگر کوئی شے زد میں نہیں آئی۔ وہ ایک قدم اور آگے
بڑھا۔ پھر ایک اور۔ مگر آج کی رات فاصلے کچھ طویل ہو گئے تھے
دائیں بائیں اور پیچھے ہر طرف ایک بیکراں خلا محسوس ہو رہا تھا۔
اندیشہ تھا کہ پلنگ کی ملاقات ہاتھوں کے بجائے پیروں سے نہ
ہو جائے۔ چنانچہ نجم نے مزید آگے بڑھنے سے پرہیز کیا اور ایک
مرتبہ پھر ہاتھوں سے ٹٹولنے کی کوشش کی۔ نیچے۔ اور نیچے۔ اور نیچے
اچانک اس کا ہاتھ کسی نرم چیز سے ٹکرا گیا۔ چھو کر دیکھا تو غوری صاحب
کی ناک تھی۔ لاحول ولا قوۃ۔ یوں جیسے کرنٹ لگ جائے۔ انجم نے
ایک جھٹکے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ غوری صاحب یقیناً پائنتی کی طرف
سر کر کے سو رہے تھے۔ ورنہ دونوں طرف تو منہ ہونے سے رہا۔
انجم کو سوچنا پڑا کہ ایسی صورت میں تکیہ کہاں ہوگا۔ سرہانے
یا پائنتی کی جانب۔ کہیں اس نے پہچاننے میں بھول تو نہیں کی۔
وہ ناک ہی تھی۔ غوری صاحب کے پیر کا انگوٹھا تو نہیں تھا۔
انجم کو شبہ سا ہو گیا مگر پھر دوبارہ ہاتھ بڑھا کر چھونے کی ہمت
نہیں تھی۔ مجبوراً اس نے ناک کے مقام کا تعین کر کے اگر وہ
ناک ہی تھی تو پلنگ کو ٹٹولنے کی کوشش کی اور شکر ہے کہ

کامیاب بھی ہو گیا۔ یہی محسوس کرتے ہی انجم کی انگلیاں آہستہ سے پلنگ کے اوپر رینگ گئیں۔ کوئی شبہ نہیں غوری صاحب یقیناً اسی طرف سر کر کے لیٹے تھے کیونکہ جلد ہی اس کی انگلیوں نے تکیہ کا نرم و گداز لمس محسوس کر لیا۔ اس نے اطمینان کی سانس لی یہ بھی ایک طرح سے اچھا ہی ہوا تھا۔ اب وہ مزید آگے بڑھنے کا خطرہ مول لئے بغیر تکیہ سے چابی نکال سکتا تھا۔

انگلیوں کو پیدل چلاتے ہوئے انجم نے پہلے تکیہ کی ایک جانب ٹٹولا پھر دوسری جانب۔ دوسری طرف اسے چابی مل گئی۔ اس نے محسوس کیا چابی کسی ڈوری سے بندھی ہوئی ہے۔ سانس روک انجم نے انگلیوں کو پسپائی کا حکم دیا۔ ہاتھ تکیہ کے نیچے سے نکل آیا۔ ڈوری پر ابھی تک تکیہ کا دباؤ محسوس ہو رہا تھا۔ ظاہر تھا کہ ابھی اسے آزادی نصیب نہیں ہوئی۔ انجم نے کھینچنا شروع کیا۔ ہاتھ آخری حد تک کھنچ گیا۔ مگر دباؤ تو اب بھی موجود تھا۔ ڈوری کو دوبارہ تکیہ کے پاس سے پکڑ کر اس نے پھر کھینچا۔ دوسرے ہاتھ کی کمک پہنچنا ضروری ہو گئی تھی انجم نے کٹی ہوئی پتنگ کی ڈور کی طرح ہاتھ چلانا شروع کر دیے مگر ڈوری تو کھنچتی ہی چلی آ رہی تھی۔ کیا مصیبت ہے۔ غوری صاحب سوٹ کیس کی چابی شیطان کی آنت میں تو نہیں باندھ رکھی تھی۔ انجم کے ہاتھ تھک گئے مگر دوسرے سرے کی تھاہ نہیں ملی۔

تھک کر اس نے مزید کوشش ترک کر دی۔ چابی مل گئی تو سوٹ کیس تک تو پہنچ ہی جائے گی۔ وہ ہاتھوں اور پیروں کے بل فرش پر جھک گیا۔ سوٹ کیس پلنگ کے نیچے ہونا چاہیے۔ انجم نے ایک لمحے کے لئے سوچا کہ سوٹ کیس کی قیمتی چیزیں سمیٹ لے یا اٹھا کر اپنے کمرے میں لے جائے۔ فیصلہ کیا کہ کھول کر دیکھتے ہیں۔ کتابیں وغیرہ ہی مل گئیں تو خیر ورنہ سوٹ کیس اٹھا کر لے جائے بغیر کامیابی نہیں ہوگی۔ اوندھے منہ لیٹ کر اس نے پلنگ کے نیچے کھسکنا شروع کیا۔ سوٹ کیس تو جلد ہی ہاتھ آ گیا۔ مگر اس کے قفل کی تلاش میں ذرا ذرا سا گھومنا پڑا۔ ایک ہاتھ سے قفل کے سوراخ کو ٹٹول کر اس نے چابی اندر داخل کر کے گھمائی۔ ہلکی سی کلک کی آواز نے بتایا کہ تالا کھل چکا ہے۔

پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے انجم نے چابی ایک طرف رکھی اور ڈھکنے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ مگر ڈھکنا کہاں تھا اور ڈھکنے کو تو چھوڑیے۔ سوٹ کیس بذات خود کہاں تھا۔ پلنگ کے نیچے اوندھے لیٹے لیٹے انجم نے ہاتھوں کو ادھر ادھر حرکت دی۔ یقیناً زمین کی تہہ میں تو نہیں کھنچ گئی ہو گی۔ انجم کو سوچنا پڑا کہ چند لمحے قبل اس نے سچ مچ سوٹ کیس کا قفل کھولا تھا یا قفل کھولنے کا خواب دیکھا تھا رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ انگلیوں کے سرے کسی چیز سے ٹکرائے۔ ٹٹولا تو سوٹ کیس تھا۔ وہ ذرا آگے کھسکا۔ ہاتھ بڑھایا۔ سوٹ کیس

اب بھی صرف چھونے ہی کی حد میں تھا۔ وہ کچھ اور آگے بڑھا۔ ہاتھ
پھیلایا۔ سوٹ کیس اب بھی اتنے ہی فاصلے پر تھا۔ کئی مرتبہ پہلے
زیادہ ہی کوشش کی مگر فاصلہ جوں کا توں قائم تھا۔ انجم کو غصہ آ گیا
جس طرح شکار پر جست لگانے سے پہلے شیر اپنے جسم کو سادھتا
ہے۔ اس نے بھی سادھا اور جست لگا کر چھلانگ سی لگا دی تھی
کہ انجم کے خیال کے مطابق اب تک اس کا سینہ سوٹ کیس سے ٹکرا جانا
چاہیے تھا مگر ایسا نہیں ہوا۔ سوٹ کیس نے اپنا فاصلہ بدستور قائم
رکھا تھا اور اس لمحہ انجم کو پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ سوٹ کیس بھی اس
کے ساتھ آگے بڑھتا جا رہا ہے۔ اس کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے
سردی کی ایک لہر سی سر سے پیروں تک دوڑ گئی۔ بغیر اس خیال کے کہ
وہ اٹھا تو پلنگ سے ٹکرا جائے گا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اور حیرت
تھی کہ اس کا سر پلنگ سے بھی نہیں ٹکرایا۔ انجم نے اوسان بحال
کرتے ہوئے ان غیر محسوس باتوں کی وجہ سوچنے کی کوشش کی مگر سمجھ
میں نہیں آیا۔ کسی قدر ہچکچاتے ہوئے اس نے قدم آگے بڑھایا۔
اور ٹھیک اسی لمحہ کمرہ روشنی سے بھر گیا۔ انجم اچھل کر کھڑا ہو گیا
ایک ثانیہ کی چکا چوند کے بعد جب اس نے آنکھیں کھولیں تو یہ دیکھ کر
حیرت زدہ رہ گیا کہ اب وہ جس کمرے میں کھڑا ہے وہ غوری صاحب
کا نہیں شبانہ کا ہے۔ شبانہ صرف ایک قدم کے فاصلے پر اپنے بیڈ
پر کروٹ لیے لیٹی ہے۔ غوری صاحب درمیانی دروازے کے

ساتھ کھڑے ہوئے اسے تیز تیز نگاہوں سے گھور رہے تھے اور
ان کا سیدھا ہاتھ ابھی تک بجلی کے بٹن پر رکھا ہوا ہے۔

"برخوردار میں پوچھ سکتا ہوں کہ یہ کیا حرکت ہے تمہاری
ہے یہ" غوری صاحب انتہائی غصے سے بولے۔ "کسی کو اپنے
گھر میں پناہ دینے کے بعد اسی طرح رات کے اندھیرے میں اس
کی عزت سے کھیلنے کی کوشش کی جاتی ہے۔"
"م... م... میں... میں تت... میں تو..." انجم بری طرح
ہکلا رہا تھا۔
"جب جہاں زیب احمد خان نے میری بیٹی پر نظر رکھا یا تھا۔
تو غوری صاحب بھی کہے جا رہے تھے۔ تو میں نے یہ کہہ کر اپنے آپ
کو تسلی دی تھی کہ میرے پاس دولت نہیں رہی۔ معلوم ہے ایک شخص
دوست کی بیٹی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے اس بہانے کی آڑ
لے رہا ہے تمہارے حساب سے [illegible]۔ مگر اب مجھے یقین ہے کہ وہ سچ بول رہے
تھے۔ کھوٹ ان کی نیت میں نہیں تمہاری نیت میں پیدا ہو گیا تھا۔"
"مم... میری بات تو سنیے قبلہ... آپ... آپ جو کچھ سمجھ رہے
ہیں بالکل غلط ہے... میں تو..."
"ایک تو چوری اور اوپر سے یہ سینہ زوری تمہارے حساب میں"

غوری صاحب گرجے۔ "آخر تم رات کے ایک بجے شبانہ کے کمرے میں کیوں آئے تھے۔ میں ابھی سارے محلے والوں کو جمع کرتا ہوں۔"

اس چیخ و پکار سے شبانہ کی آنکھ بھی کھل گئی تھی۔ اور اب وہ سر جھکائے پلنگ کے ایک کنارے پر بیٹھی تھی۔ گھونگھٹ جیسے سموٹ چہرے کو چھپائے ہوئے تھا۔

"خدا کے لئے غوری صاحب۔" انجم نے گھبرا کر ہاتھ جوڑ دیئے "کچھ میری بھی تو سنیئے۔ میں ہرگز کسی بری نیت سے نہیں آیا تھا۔"

"یہ بات اب تم محلے والوں کو سمجھانا۔"

"اوہ۔ میرے خدا۔ میں کس مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔" انجم جیسے رو دینے والا تھا۔ "دراصل حقیقت یہ ہے کہ میں آپ کے سوٹ کیس سے چند کتابیں نکالنے آیا تھا۔"

"ہا۔" غوری صاحب نے چشمے کے پیچھے گول گول آنکھیں گھماتے ہوئے بڑے طنزیہ انداز سے کہا۔ "تو میرا سوٹ کیس یہاں رکھا ہے تمہارے حساب میں۔ برخوردار۔ یہ بات کسی اور کو دینا۔ میں نے بال دھوپ میں سفید نہیں کئے ہیں۔"

"یقین کیجئے جب میں نے آپ کے تکیہ کے نیچے سے چابی نکال" انجم نے جواب دیا۔ "آپ نے اس میں پتہ نہیں کتنی لمبی ڈوری باندھ دی تھی کہ کسی طرح ختم ہونے میں نہیں آتی تھی۔ تنگ آکر میں نے اسی طرح سوٹ کیس کا قفل کھولنے کا ارادہ کر لیا۔ چابی آپ بھی

یہ پلنگ کے نیچے گری ہوئی دیکھ سکتے ہیں۔ میں نے سوٹ کیس کھول لیا تھا مگر جب ہاتھ بڑھا کر اس کا ڈھکنا کھولنا چاہا، تو خدا معلوم کس طرح سوٹ کیس آگے سرک گیا۔ میں اس کے پیچھے چلتا ہوا ہی اس کمرے میں آیا ہوں۔"

"برخوردار میاں تم احمق ہو یا پھر مجھے احمق بنانا چاہتے ہو۔" غوری صاحب نے تیزی سے کہا۔ "یہ طلسم ہوشربا کا زمانہ نہیں ہے تمہارے حساب میں۔ تم کہتے ہو کہ تم سوٹ کیس کے پیچھے پیچھے اس کمرے میں آئے ہو۔ ذرا مجھے دکھاؤ تو سہی وہ سوٹ کیس یہاں کہاں ہے۔"

اور اس وقت انجم نے گھبرا کر فرش کی جانب دیکھا تو وہاں سوٹ کیس کیا اس کا کہیں نشان تک نظر نہیں آ رہا تھا۔

"اتنا ہی نہیں تم ابھی اس کمرے میں جا کر دیکھ سکتے ہو کہ میرا سوٹ کیس وہاں رکھا ہے تمہارے حساب میں۔" غوری صاحب بولے "ادھر آؤ میرے ساتھ۔ میں تم جیسے کو اس کے گھر تک پہنچا دیتا ہوں۔"

وہ دھکا دے کر انجم کو اپنے کمرے میں لے گئے۔

"اب مجھے یہاں دکھاؤ کہ چابی کہاں گری ہے تمہارے حساب میں اور وہ اتنی لمبی ڈوری کہاں ہے جو تم نے چابی میں بندھی دیکھی تھی بیٹے۔ دیکھو۔ ذرا نیچے بھی جھانک کر دیکھو۔"

انجم نے پلنگ کے نیچے جھانکا اور اس کی آنکھیں حیرت
سے پھیلتی گئیں۔ چابی مع پتلی ڈوری کے غائب تھی۔ اور
سوٹ کیس جیسے اس کا منہ چڑا رہا تھا۔ اور تو اور غوری صاحب
کا تکیہ بھی پلنگ پر نہیں سرہانے کی جانب رکھا ہوا تھا۔

"اب ادھر بھی ایک نظر ڈال لو۔" غوری صاحب نے اپنا
تکیہ ہٹایا چابی وہاں موجود تھی اور اس میں بندھی ہوئی ڈوری
کا طول ایک بالشت سے زیادہ نہیں تھا۔

"اب بولتے کیوں نہیں۔" غوری صاحب چلائے۔ "سانپ
کیوں سونگھ گیا ہے تمہارے حساب میں۔"

"میں کیا بولوں جناب میری سمجھ میں خود یہ گورکھ دھندا نہیں
آ رہا ہے۔" انجم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "مگر خدا گواہ ہے کہ
میں نے جو کچھ عرض کیا اس میں ذرہ برابر جھوٹ نہیں ہے۔"

"بس جی۔" غوری صاحب نے ہاتھ اٹھا دیا۔ "اس کا فیصلہ
تو اب تمہارے والد ہی کریں گے تمہارے حساب میں۔ میری بیٹی تو
بدنام ہو گئی ہی مگر تمہاری شرافت کا پول بھی کھل جائے گا۔"

وہ بڑبڑاتے ہوئے دروازے کی طرف چلے۔ انجم کی
سمجھ میں اور تو کچھ نہیں آیا۔ اس نے دوڑ کر ان کے پیر پکڑ لئے۔

"خدا کے لئے میرے حال پر رحم کیجئے۔" وہ بولا۔ "میرے
والد تک یہ باتیں پہنچیں گی تو وہ میری کھال کھینچ لیں گے بہت

بے عزت کر دیا جائے گا۔ میرا مستقبل تباہ ہو کر رہ جائے گا۔"

"اور بیٹی کی زندگی جو برباد ہو جائے گی تمہارے حساب میں وہ
کچھ نہیں۔" غوری صاحب نے اپنے پیر چھڑانا چاہے۔

"تو کیا آپ میری خطا معاف نہیں کر سکتے۔" انجم گڑگڑایا۔ "آپ
جو سزا چاہیں مجھے دے دیں۔ مجھے منظور ہے۔"

"اگر تم چاہتے ہو کہ یہ بات یہیں تک رہ جائے تو اس کی بس
ایک ہی صورت ہے۔" غوری صاحب نے جیسے نرم پڑتے ہوئے
جواب دیا۔

"وہ کیا؟" دھڑکتے ہوئے دل سے انجم نے پوچھا۔

"تم شبانہ سے شادی کر لو۔" غوری صاحب نے جواب دیا۔

انجم نے ایک گہری سانس لی اور غوری صاحب کے پیر چھوڑ کر
کھڑا ہو گیا۔ اس کا ذہن تیزی سے اس صورت حال سے نبٹنے کا طریقہ
سوچ رہا تھا۔ کوئی شک نہیں وہ بہت بری طرح گھر چکا تھا۔ بلاشبہ
اس کے والدین تک یہ بات پہنچ گئی تو وہ زندگی بھر اس کی صورت
نہیں دیکھیں گے۔ ملازمت بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے اور دوستوں
کی نگاہ میں جو ذلت و رسوائی ہوگی وہ علیحدہ۔ مگر شبانہ سے شادی کی
یہ سزا بھی تو کم خوفناک نہیں تھی۔ مگر پھر جیسے اس نے اپنے آپ کو سمجھایا
فوری ضرورت اس وقت بدنامی کے خطرے سے بچنے کی ہے۔ شادی
بھی ہو جائے تو وہ سہیل کی طرح جب چاہے شبانہ کو طلاق دے سکتا ہے۔

"بہت اچھا" آخر وہ بولا "میں تیار ہوں۔ مگر ایک شرط پر۔"

"کیسی شرط۔"

"شادی میں اس وقت کروں گا جب آپ وہ دونوں کتابیں مجھے واپس کر دیں گے۔"

"مجھے منظور ۔۔۔ بے تمہارے حساب ہیں" غوری صاحب نے جواب دیا۔ "مگر اس تبدیلی کے ساتھ کہ کتابیں نکاح کے بعد تمہارے حوالے کی جائیں گی۔"

"چلیے یونہی سہی۔"

"بس تو پھر کل شام دفتر سے واپسی پر قاضی صاحب کو ساتھ لیتے آنا۔" غوری صاحب نے اطمینان کے ساتھ کہا۔ "برخوردار سعید بھی شریک ہو جائیں تو کوئی حرج نہیں۔"

انجم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ ہارے ہوئے جواری کی طرح تھکے تھکے قدموں سے کمرے سے باہر نکل گیا۔ غوری صاحب شبانہ کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔

"گھبراؤ نہیں بیٹی اب سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔" انھوں نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ شبانہ غریب بھی کچھ کم حیران نہیں تھی۔ اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ انجم اچانک اس کے کمرے میں کیسے آ گیا۔ اس نے بڑے غور سے چچا جان کی طرف دیکھا۔ مگر غوری صاحب آپ ہی آپ مسکراتے سر ہلاتے اپنے کمرے کی طرف چل دیے تھے۔

وہ آج بہت خوش تھے۔ ان کی سوچی ہوئی ترکیب سو فیصدی کامیاب رہی تھی۔ دفتر سے واپس آنے کے بعد انجم سے جو گرما گرمی بحث ہوئی تھی اس سے انھیں کچھ اور مزید یقین ہو گیا تھا کہ انجم کسی "انتہائی" اہم وجہ سے کتابیں واپس لینے کے لیے بیقرار ہے اور پھر اس نے جس انداز سے گفتگو کی تھی اس کی بنا پر غوری صاحب کا خیال تھا کہ انجم ضرور رات کے وقت ان کے سوٹ کیس سے کتابیں نکالنے کی کوشش کریگا۔ تھوڑی سی ہوشیاری، معمولی سی کوشش ان کی بیٹی کے مستقبل کو تباہی سے بچا سکتی تھی۔ ممکن تھا کہ عام حالات میں وہ اس قدم کے لیے تیار نہ ہوتے مگر ایک اجنبی ملک میں اپنے قابل اعتماد دوست اور اس کے بیٹے کے قطعی خلاف امید طرز عمل نے غوری صاحب کو بہت پریشان اور فکرمند کر دیا تھا۔ ان کے سامنے سب سے بڑا سوال شبانہ کے مستقبل اور اس پردیس میں اپنے بڑھاپے کو در در کی ٹھوکروں سے بچانے کا تھا۔

ترکیب جو انھوں نے سوچی انتہائی سادہ اور آسان تھی۔ انھوں نے پلنگ کے نیچے سے اپنا سوٹ کیس نکال کر میز پر رکھا اور اس کی جگہ شبانہ کا سوٹ کیس رکھ دیا۔ اپنے سوٹ کیس کی دو چابیوں میں سے ایک میں بے انتہا لمبی ڈوری باندھی۔ بجائے سرہانے کے تکیہ اٹھا کر پائنتی کی طرف رکھا اور اطمینان سے لیٹ گئے۔ چابی میں لمبی ڈوری باندھنے کی مصلحت یہ تھی کہ

جب تک انجم اسے نہ لے گا۔ وہ پلنگ کے دوسری طرف اتر کر سوٹ کیس کا ایک کنارہ پکڑ کر عمل کے لئے تیار ہو بیٹھے۔ چنانچہ جس وقت انجم سوٹ کیس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ غوری صاحب اسے شبانہ کے کمرے میں گھسیٹ رہے تھے۔ انجم کے کھڑے ہوتے ہی، انھوں نے پھرتی سے سوٹ کیس شبانہ کے پلنگ کے نیچے رکھا۔ دبے پاؤں اپنے کمرے میں واپس آئے۔ اپنا سوٹ کیس میز سے اٹھا کر پلنگ کے نیچے ڈالا۔ رسی والی چابی جو انجم نے پلنگ کے نیچے چھوڑ دی تھی اپنے سوٹ کیس میں بند کر دی۔ تکیہ حسب معمول سرہانے کی طرف رکھا اور دوسری چابی اس کے نیچے رکھنے کے بعد بجلی کا بٹن دبا دیا۔ انھیں یقین تھا کہ روشنی ہونے کے بعد اپنے آپ کو شبانہ کے کمرے میں دیکھ کر انجم جس پریشانی اور تجسس کا شکار ہوگا اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ جو چاہیں گے منوالیں گے۔

انھوں نے ایک مرتبہ پھر مطمئن انداز میں سر ہلایا اور بجلی کا سوئچ آف کر کے اپنے پلنگ پر آ کر لیٹ گئے۔ کوئی شک نہیں کہ انھوں نے جو کچھ کیا تھا وہ ایک باپ کی غیرت کے منافی تھا مگر بہر حال کوئی فساد تو نہیں تھا اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ اب ان کی بیٹی کا مستقبل محفوظ ہو چکا تھا۔ انجم کو جس حد تک انھوں نے سمجھا تھا وہ کچھ بھی ثابت ہو دوسرا سہیل ثابت نہیں ہو سکتا

تھا۔ اطمینان کی ایک گہری سانس لیتے ہوئے غوری صاحب نے آنکھیں بند کر لیں اور سونے کی کوشش کرنے لگے۔

—

"یار یہ بڑے میاں تو بڑے کائیاں نکلے۔" سعید نے حیرت سے کہا۔ "مگر ایک بات ہے۔ ہم انھیں کچھ زیادہ موردِ الزام نہیں ٹھہرا سکتے۔ انھوں نے وہی کیا جو ایک جوان بیٹی کا مجبور باپ ان حالات میں کر سکتا تھا۔ ظاہر ہے تم خود دیکھ چکے ہو کہ سہیل نے شبانہ کو تمہارے ساتھ ناجائز تعلقات کا الزام لگا کر طلاق دی تھی۔ اپنی پونجی وہ کسٹم پر لٹا چکے تھے۔ بیٹی پر بدچلنی کی تہمت بھی لگ گئی۔ پیسہ کوڑی جیب میں نہیں تھا کہ اپنے وطن واپس جا سکیں۔"

"ارے تو کیا قربانی کا بکرا بننے کے لئے ایک میں ہی رہ گیا تھا" انجم نے منہ بسورتے ہوئے جواب دیا۔ وہ سعید کو گزشتہ رات کے تمام واقعات اور نتیجہ سنا چکا تھا۔ اس وقت دفتر سے واپسی پر اسے اس نے ساتھ لے لیا تھا کہ کم سے کم ایک دوست تو اس زبردستی کی شادی کا گواہ بن جائے۔ وہ اس وقت اسٹیشن کے ریسٹورنٹ میں چائے پی رہے تھے۔

"بھیا میں تو کہوں گا کھری بات یہ ہے زمانے میں آگ لگ جائے۔" سعید نے مسکراتے ہوئے کسی فلم کے مشہور ڈائلاگ کا

خاک اڑ یا۔ تم سے زیادہ شبانہ کے لیے اور کوئی موزوں نہیں ہو سکتا تھا۔ تمہیں بہرحال شادی کرنا تھی۔ آج نہیں تو کل سہی پھر شبانہ سے کرنے میں کیا نقصان ہے۔ صورت کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ ابھی تک دیکھی ہی نہیں۔ البتہ جہاں تک کام کاج میں سلیقہ کا تعلق ہے میں کیا تم بھی دیکھ رہے ہو کہ اس نے کس خوش اسلوبی سے تمہارے گھر کا کام سنبھالا ہوا ہے۔

"مگر میں کسی اور سے محبت کرتا ہوں۔"

"اچھا۔" سعید چونکا۔ "تو گزشتہ سات آٹھ دن سے جو دال میں کالا نظر آ رہا تھا وہ نظر کا فریب نہیں بلکہ حقیقت تھی"

"مذاق مت کرو یار! میں اس وقت شدید ذہنی الجھن کا شکار ہو رہا ہوں۔"

"کیا وہ ٹیلیفون والی۔" سعید نے پوچھا۔

"نہیں وہ تو پتہ نہیں کون ہے۔" انجم نے جواب دیا۔ "میں نے شاید تم سے کہا تھا کہ اس ٹرین میں..."

"لاحول ولا قوۃ۔" سعید نے ناک سکوڑی۔ "میں تو تمہیں عملی دنیا کا انسان سمجھتا تھا مگر تم تو نئے زمانے کے شیخ چلی ثابت ہوئے یعنی آپ ایک ایسی لڑکی کے عشق میں گرفتار ہیں جس کے بارے میں یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ کون ہے، کہاں ہے، ہے بھی یا نہیں اور ہے تو کنواری ہے، شادی شدہ ہے، نام فرا ابھی خود بچی ہے

یا ماشاء اللہ آٹھ دس بچوں کی ماں ہے..."

"پوری بات سنتے نہیں ہو اور بیچ میں بکواس شروع کر دیتے ہو۔" انجم جھلا کر بولا۔ "وہ مجھے دوبارہ بھی ملی تھی۔"

"اور تم مجھے آج بتا رہے ہو۔" سعید نے آنکھیں نکالیں۔ "شاباش ہے تمہارے پیٹ کو۔ میں تو تمہاری بات کبھی ہضم نہیں کر سکتا تھا۔"

"اور جانتے ہو کہاں ملی؟"

"اب اگر تم نے یہ کہا کہ خواب میں ملی تھی تو میں تمہارا گلا گھونٹ دوں گا۔"

"خواب میں نہیں صاحبزادے، مجھے گلشن لائبریری میں۔"

انجم نے بتایا۔

"اچھا۔ تو یہ کہیے۔ میں بھی تو کہوں کہ یہ گھر چھوڑ کر آج کل لائبریری میں شامیں کیوں ہونے لگی ہیں۔" سعید نے سمجھنے کے انداز میں سر ہلایا۔ "تو معاشیات کے بجائے رومانیات کے امتحان کی تیاری کی جا رہی ہے۔"

"ضرور فرشتوں نے غلطی سے کسی عورت کی زبان تمہارے منہ میں فٹ کر دی ہے۔" انجم جھلایا۔ "پہلے آگے کسی کی سنتے ہی نہیں۔ ایک ہفتہ پہلے میں اکاؤنٹ کی ایک کتاب دوبارہ اپنے نام جاری کرانے لائبریری گیا تو وہ وہاں بیٹھی ہوئی تھی۔ اسی روز ممبر بنی تھی۔ خلاق صاحب نے بتایا کہ اس کا نام تنویر ہے اور کسی بڑے باپ کی بیٹی معلوم ہوتی ہے کہ [illegible]۔ میں نے پتہ وغیرہ معلوم کرنا چاہا مگر اس نے ممبر شپ کارڈ میں صرف اپنا نام لکھا تھا۔

اس کے بعد جب وہ لائبریری سے کتابیں لے کر نکلی تو میں نے تعاقب کیا
گھر کا پتہ لگانا چاہا مگر بدقسمتی تھی۔ چوراہے پر ٹریفک سگنل نے
سے گزر جانے دیا اور مجھے روک لیا۔ اس دن کے بعد میں روزانہ
لائبریری میں اس سے ملنے کی امید لے کر جاتا ہوں مگر وہ اب تک دوبارہ
نہیں آئی۔ بہرحال مجھے امید تھی کہ اگر میں اپنا مستقبل بنانے میں کامیاب
ہو گیا تو اس کے دولت مند والدین کو اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں
دینے میں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ مگر اب شبانہ سے شادی کر لی تو
تنویر نہیں مل سکے گی۔

"تم اس سے محبت کرتے ہو تو شبانہ سے شادی سے انکار کر دو۔"

"کیسے انکار کر دوں۔" انجم نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ "مجھے یقین
ہے وہ بڑے میاں مجھے اچھی طرح ذلیل و خوار کر دیں گے۔ اس کے
علاوہ بیس ہزار روپے کا مسئلہ بھی کم اہم نہیں ہے۔ اور غوری صاحب
نے صاف کہہ دیا ہے کہ نکاح سے پہلے کتابیں نہیں دیں گے۔"

"گویا چاروں طرف سے شامت پڑ رہی ہے۔"

"اسی لئے میں نے سوچا ہے کہ سر دست بدنامی سے بچنے کے لئے
شبانہ سے نکاح کئے لیتا ہوں۔ مگر اس سے میرا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔
اس کے بعد کتابیں حاصل کر کے بیس ہزار روپیہ غوری صاحب کے
ہاتھ پر رکھ دوں گا کہ قبلہ شوق سے اپنے دھن سمیٹ رکھئے
اور بیٹی کو بھی ساتھ ہی لیتے جائیے۔ میں اسے طلاق دیتا ہوں۔"

"یہ تو اس غریب کے ساتھ بڑی زیادتی ہوگی۔" سعید نے سوچتے
ہوئے کہا۔ "سہیل سے نکاح ہوا تو اس نے رخصتی سے پہلے طلاق
دے دی اور اب تم یہی حرکت کرنے والے ہو۔"

"مجھے اس بات کا احساس ہے مگر تم ہی بتاؤ میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"کم سے کم ایک وعدہ تو کر ہی سکتے ہو۔"

"وہ کیا؟"

"کہ جب تک تنویر تم سے محبت کا اعتراف نہ کر لے اور
اس کے ساتھ تمہاری شادی یقینی نہ ہو جائے تم اسے طلاق
نہیں دو گے۔"

"اچھی بات ہے۔" انجم نے بارہ آنے سپیشل چائے کی ٹرے
ڈال کر اٹھتے ہوئے کہا۔ "اب چلو قاضی انوار حق صاحب کو
فون کر دیا تھا وہ انتظار کر رہے ہوں گے۔"

انجم اور سعید قاضی صاحب کو ساتھ لے کر گھر پہنچے تو غوری صاحب
نے محلے کے دو چار آدمیوں کو اپنے کمرے میں جمع کر رکھا تھا۔ عورتوں
کو مدعو نہیں کیا گیا تھا جس کی وجہ غوری صاحب کے بقول یہ تھی کہ
خواتین کی ناک سونگھنے کے معاملے میں اور زبانیں چلنے کے معاملے میں
کافی تیز ہوتی ہیں۔ انہیں پتہ نہیں کب تک اس محلے میں قیام کرنا ہے

چنانچہ وہ نہیں چاہتے کہ شادی کے بعد خواہ مخواہ کی الجھنیں پھیلیں۔ خواتین غیبت کر کے گنہگار ہوں اور انہیں (غوری صاحب کو) اللہ میاں کے حضور بالواسطہ ایک برائی پھیلانے کے سلسلے میں جوابدہ ہونا پڑے۔

میر صاحب اور ایک بزرگ اندر جا کر رشیدہ سے نکاح کی اجازت لے آئے تو قاضی صاحب دو زانو ہو کر بیٹھے۔ ان کے سیدھے ہاتھ کی طرف انجم اور بائیں ہاتھ کی طرف غوری صاحب بیٹھے تھے۔

"ہاں قاضی صاحب بسم اللہ کیجئے۔" غوری صاحب نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"چھوارے تو منگوائیے۔" قاضی صاحب کچھ حیرت سے بولے۔

"چھوارے؟" غوری صاحب نے انجم کی طرف دیکھا مگر اس نے منہ پھیر لیا۔ "کیا چھواروں کے بغیر نکاح نہیں ہو سکتا تمہارے حساب میں؟"

"نکاح کے وقت چھواروں کی موجودگی ایک سنت ہے۔ اور سنت کا ترک کرنا کوئی اچھی بات تو نہیں قبلہ۔" قاضی صاحب نے جواب دیا۔

"لوگ آج کل فرض کی پرواہ نہیں کرتے۔ آپ سنت کی بات کر رہے ہیں۔"

"اگر آپ اپنا شمار بھی ان ہی لوگوں میں کرتے ہیں تو مجھے اجازت

دیجئے۔" قاضی صاحب نے کچھ ناگواری سے کہا۔

"اچھا صاحب ٹھہریئے میں ابھی انتظام کرتا ہوں۔" انھوں نے انجم کی طرف دیکھا۔ "برخوردار انجم سلمہٗ ذرا بات سننا تمہارے حساب میں۔"

وہ انجم کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے گئے۔ ظاہر ہے براتیوں کو یہ منظر عجیب معلوم ہوا ہوگا۔

"برخوردار تمہارے پاس دس بیس روپئے ہوں تو دیدو میں چھوارے منگوا لوں تمہارے حساب میں۔" غوری صاحب نے سرگوشی کی۔

"چھوارے تو آپ کو لانے چاہئیں۔" انجم نے جواب دیا۔ "یہ شادی آپ کی زبردستی سے ہو رہی ہے میری خوشی سے نہیں۔"

"میرا ارادہ برخوردار رشید کو بھیجنے کا تھا مگر تم کہتے ہو تو میں ہی بھیج دوں گا۔" غوری صاحب نے جواب دیا۔ "تم روپئے تو دو۔"

"خوب۔ گویا جیب بہرحال میری ہی کٹنا چاہیئے۔" انجم نے طنزیہ لہجہ میں کہا۔

"جیب کٹنے کی کیا بات ہے برخوردار۔" غوری صاحب بولے "اپنی بیوی کے نکاح کے چھوارے منگوا رہے ہو کوئی مجھ پر احسان نہیں کر رہے ہو۔ چھوارے نہیں ہوں گے تو قاضی صاحب نکاح نہیں پڑھائیں گے اور نکاح نہیں ہوگا تو مجھے محلے والوں کو۔۔۔"

"یہ آپ بار بار محلے والوں کی دھمکی کیا دیتے ہیں؟" انجم نے جیب سے دس روپے کا نوٹ نکال کر ان کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ "یہ لیجیے اب تو میں آپ کے پھندے میں پھنس ہی گیا ہوں۔"

وہ بڑبڑاتا ہوا کمرے میں واپس چلا گیا۔ غوری صاحب نے دروازے پر ہی کھڑے رہ کر سعید کو اشارے سے بلایا۔

"لو برخوردار۔" انھوں نے دس کا نوٹ دیتے ہوئے کہا۔ "تیس روپے کے چھوارے اور سات روپے کی مٹھائی لیتے آؤ۔ ذرا جلدی سے۔ دو تین دن سے شکر چبا رہا ہوں تمہارے حساب میں۔"

دس منٹ کے بعد چھوارے آ گئے تو ایک مرتبہ پھر قاضی صاحب نے نکاح پڑھانے کی تیاری کی۔ دو زانو ہو کر بیٹھے۔ خطبہ پڑھنے کے بعد دوبارہ اٹھ کر مہر کی رقم دیکھی۔

"صاحبزادی شبانہ بنت محمد خاں غوری کو بعوض پانچ مہر موجل معجل جس کے ڈھائی ہزار سکہ رائج الوقت ہوتے ہیں تم نے اپنے عقد نکاح میں دینا قبول کیا۔" قاضی صاحب نے انجم کی طرف دیکھا۔

"ٹھہریے۔" جواب ملا اور دوسرے لمحہ دولہا میاں خسر صاحب کا ہاتھ پکڑ کر کھڑے ہو گئے۔

"ذرا ادھر تو آئیے۔" انجم نے غوری صاحب کو دروازے کی

طرف گھسیٹتے ہوئے کہا۔

اور براتیوں نے جن کی مجموعی تعداد مع قاضی صاحب کے سات تھی ایک مرتبہ داماد کو خسر کا ہاتھ پکڑے باہر لے جاتے دیکھا۔

"کیا بات ہے برخوردار؟" غوری صاحب نے حیرت سے پوچھا۔

"کتابیں کہاں رکھی ہیں؟"

"سوٹ کیس میں۔"

"چابی مجھے دیجیے۔"

"بڑے بے اعتبار آدمی ہو بھئی۔ جب میں نے کہہ دیا کہ نکاح کے بعد کتابیں دے دوں گا تمہارے حساب میں تو اس طرح بھاگ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ لوگ کیا سوچتے ہوں گے۔"

"آپ چابی دیجیے سیدھے ہاتھ سے ورنہ میں محلے والوں کی دھمکی سے خود قبول نہیں کروں گا۔" انجم نے مخصوص لہجے میں کہا۔

"لاحول ولا قوۃ" غوری صاحب نے جیب سے چابی نکالی "یہ لو۔"

"کوئی دوسری چابی تو نہیں ہے سوٹ کیس کی؟" انجم نے پوچھا

"حد ہو گئی بدگمانی کی۔" غوری صاحب مسکرائے۔ "گو تم سمجھ رہے ہو کہ میں دوسری چابی سے کتابیں خود نکال لوں گا تمہارے حساب میں۔"

"آپ سے کچھ بعید نہیں ہے۔" انجم بولا۔ "بتائیے دوسری چابی

ہے یا نہیں؟"

"نہیں ہے۔" غوری صاحب نے جواب دیا۔

انجم نے جوتی جیب میں رکھی کمرے میں واپس آکر اپنی جگہ بیٹھ گیا۔

"ہاں قاضی صاحب اب پوچھیے آپ کیا پوچھ رہے تھے۔" اس نے کہا قاضی صاحب کو اپنا طویل فقرہ دہرانا پڑا تین مرتبہ اس کا اعادہ بھی کیا گیا۔ اور تیسری مرتبہ آخری۔ ہاں سے قبول کیا ہے۔ کے بعد سے بہت ہی حاضرین نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔ دولہا کے متعلق پتہ نہیں مگر انجم کی دعائیں کتابوں کے خیریت ملنے کے بارے میں تھیں۔

چھوہاروں کی تقسیم کے بعد اہل محلہ مبارکباد دیتے ہوئے جب رخصت ہو گئے تو انجم اٹھ کر غوری صاحب کے کمرے کی طرف چلا۔

"کہاں جا رہے ہو برخوردار۔" غوری صاحب نے ہاتھ پکڑا۔

"آپ کے سوٹ کیس سے اپنی کتابیں نکالنے۔"

"تمہاری کچھ کتابیں سوٹ کیس میں ضرور رکھی ہیں۔ جو کہ میں نے بتایا۔ لیکن تمہارے مطلب کی گرفتار اور مفرور کی واپسی سے تو وہ سوٹ کیس میں نہیں ہیں۔"

"پھر کہاں ہیں؟" انجم نے تیزی سے پوچھا۔ "آپ نے وعدہ کیا تھا نکاح کے بعد وہ کتابیں واپس کر دیں گے۔"

"میں نے بے شک وعدہ کیا تھا تمہارے حساب میں... وہ میں

واپس کرنے کی پوری کوشش بھی کروں گا۔ مگر سردست تو وہ میرے پاس نہیں ہیں۔"

"پھر کہاں ہیں؟" انجم نے اپنا سوال دہرایا۔

"گلشن لائبریری میں۔" غوری صاحب دوسری طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

"کیا۔" انجم اور سعید کے منہ سے بیک وقت نکلا۔ مگر دوسرے ہی لمحے سعید نے ایک زبردست قہقہہ لگایا۔

"تیری پیشین گوئی درست نکلی نا۔" وہ بولا۔ "فرق صرف اتنا ہے کہ میں نے اندیشے کے بارے میں خدشہ ظاہر کیا تھا، اور غوری صاحب نے مرغی بیچ کر مٹھائی کھالی ہے آپ کے سر پر۔"

"تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے اور میری جان پر بنی ہوئی ہے۔ جلدی چلو کہیں اخلاق صاحب وہ کتابیں کسی اور کو دے دیں اور قیامت آجائے گی۔" انجم نے کہا اور بھاگتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

انجم اور سعید کسی طوفان کی طرح گلشن لائبریری کے آفس میں داخل ہوئے۔

"خیریت تو ہے؟" اخلاق صاحب نے حیرت سے دونوں کے گھبرائے ہوئے انداز اور پھولی ہوئی سانسوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"غوری صاحب نے آپ کے ہاتھ کچھ کتابیں فروخت کی ہیں؟" انجم نے پوچھا۔

"کون غوری صاحب؟" اخلاق صاحب نے پوچھا۔

"وہ صاحب جو میرے گھر ٹھہرے ہوئے ہیں" انجم نے بتایا۔ "ناٹا سا قد۔ دبلا پتلا جسم۔ سر کے بال آگے سے کچھ غائب ہیں۔ چشمہ لگاتے ہیں۔"

"مجھے اس حلیے کے کوئی صاحب یاد نہیں ہیں۔" اخلاق صاحب نے جواب دیا۔ "ممکن ہے میرے اسسٹنٹ نے ان سے کتابیں خریدی ہوں۔ مگر بات کیا ہے؟"

"لاحول ولا قوۃ۔ بالکل بدحواس ہوئے جا رہے ہو۔" سعید نے کہا۔ "سیدھی سی بات کیوں نہیں پوچھتے؟"

وہ اخلاق صاحب کی طرف متوجہ ہوا۔

"آپ نے حال ہی میں کسی سے عذرا اور عذرا کی واپسی کا سب سے پہلا ترجمہ خریدا ہے؟"

"جی ہاں یہ دونوں کتابیں میرے اسسٹنٹ نے کوئی چار دن پہلے خریدی تھیں۔" اخلاق صاحب نے جواب دیا۔

"وہ کتابیں میری ہیں اور میری مرضی کے بغیر فروخت کی گئی ہیں۔" انجم نے کہا۔ "جو قیمت آپ نے ان کتابوں کی ادا کی ہے مجھ سے لے لیں۔"

"لیکن معلوم بھی تو ہو آخر ان کتابوں میں ایسی کیا خاص بات ہے

جو آپ اتنے پریشان نظر آ رہے ہیں۔"

"افوہ۔ پلیز اخلاق صاحب۔ آپ مجھے وہ کتابیں واپس کر دیں میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گا۔"

"مجھے افسوس ہے کہ وہ کتابیں تو اب لائبریری کی ملکیت بن چکی ہیں اور انہیں واپس نہیں لیا جا سکتا۔"

"اچھا تو صرف مجھے ایک گھنٹے کے لیے عاریتاً دے دیں میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کو واپس کر دوں گا۔"

"افسوس کہ سردست یہ بھی ممکن نہیں ہے۔" اخلاق صاحب نے نفی میں سر ہلایا۔

"کیوں؟" انجم نے بے تابی سے پوچھا۔ "کیا آپ کو اعتبار نہیں کہ میں کتابیں واپس کروں گا یا نہیں۔"

"اعتبار کا سوال نہیں انجم صاحب۔ کتابیں جاری کی جا چکی ہیں۔"

"کسے۔ کون لے گیا ہے۔" سعید نے جلدی سے پوچھا۔

"مس تنویر۔" اخلاق صاحب انجم کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔ "ابھی آپ لوگوں کے آنے سے ایک منٹ قبل لے کر گئی ہیں۔"

انجم ایک لمحے کے لیے حیرت زدہ سا اخلاق صاحب کی صورت دیکھتا رہا۔

"اب کھڑے کیا سوچ رہے ہو بھاگو جلدی سے۔" سعید نے کہا۔ "ابھی وہ زیادہ دور نہیں گئی ہوں گی۔"

"آخر کچھ مجھے بھی تو پتہ چلے نا .." فرقان صاحب کو اپنا فقرہ نامکمل ہی چھوڑنا پڑا۔ انجم اور سعید تیز ہوا کے جھونکے کی مانند آفس سے باہر نکل چکے تھے۔

انجم نے باہر نکل کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ یہاں سے چوراہے تک صرف ایک ہی سڑک جاتی تھی۔ درمیان میں ایک دو چھوٹی چھوٹی تنگ سی گلیاں ضرور تھیں مگر انجم کو امید نہیں تھی کہ تنویر ان گلیوں میں گئی ہوگی۔ وہ پہلی مرتبہ بھی اسے چوراہے تک جاتے دیکھ چکا تھا۔

"اس طرف۔" اس نے بھاگتے ہوئے سعید سے کہا اور دونوں دوڑ پڑے۔ شام کے تقریباً آٹھ بج رہے تھے۔ سڑک پر بھی خاصی آمد و رفت تھی۔ بہت سے لوگ انجم اور سعید کو بھاگتے دیکھ کر ان کی طرف متوجہ ہوئے ہوں گے مگر وہ دونوں جیسے گرد و پیش سے بے خبر بھاگے چلے جا رہے تھے۔

"صاحبزادے۔" اچانک ایک بڑے میاں انجم کے سامنے آ گئے۔ "معلوم ہوتا ہے آج وہ لڑکی پھر بھاگ گئی ہے۔"

انجم گرتے گرتے بچا۔ اس نے گھور کر بڑے میاں کو دیکھا اور فوراً پہچان گیا۔ یہ وہی تھے جنہیں گذشتہ ہفتے تنویر نے روکا تھا۔

"جی ہاں۔ جی ہاں۔" انجم نے جلدی سے کہا۔ "آپ نے تو اسے نہیں دیکھا"

"دیکھا تو ہے۔" بڑے میاں نے سر ہلایا۔ "اس دن تمہارے ساتھ بھی تو دیکھا تھا۔"

"اُفوہ۔ میرا مطلب ہے آج۔ ابھی کچھ دیر پہلے۔"

"نہیں۔ آج تو نہیں دیکھا۔"

"لاحول ولاقوۃ۔" سعید جھنجھلا گیا۔ "تو پھر آپ خوامخواہ ہمارا وقت ضائع کر رہے تھے۔"

انجم اور سعید آگے بڑھنے لگے۔

"تم تو صاحبزادے جیسے ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو۔" بڑے میاں نے آواز دی۔ "لڑکی کا پتہ نہیں معلوم کرو گے۔"

"کیا؟" انجم پلٹ پڑا۔ "مگر آپ کہہ رہے تھے کہ آج نہیں دیکھا۔"

"یہ تو اب بھی کہتا ہوں۔ آج میں نے اسے تمہارے ساتھ نہیں دیکھا۔" بڑے میاں نے گردن ہلائی۔

"استغفر اللہ۔ ایسے ہی مواقع پر انسان کا دل خودکشی کرنے کو چاہنے لگتا ہے۔" سعید نے بڑی مشکل سے غصہ ضبط کیا۔ "تو قبلہ اسے آپ نے کس کے ساتھ دیکھا ہے۔"

"کسی کے ساتھ نہیں۔ البتہ تنہا ضرور دیکھا ہے۔"

"کہاں۔ خدا کے لئے جلدی بتا دیجئے۔" انجم نے بڑی بیچارگی سے کہا۔

"تم طرہ باز خاں کو جانتے ہو۔" بڑے میاں نے پوچھا۔

"جی نہیں۔"

"تو پھر تم نے ان کا چوراہا بھی نہیں دیکھا ہوگا۔"

"طرہ باز خاں کا چوراہا۔ یہ نام تو آج ہی سنا ہے۔"

سعید نے پوچھا۔

"یہ وہی چوراہا ہے جہاں مشہور طرم باز خاں نے مسلسل پانچ گھنٹے حاضرین جلسہ کو ... یہاں حضرت نقلی اور ... حاضرین جلسہ کے سامنے تقریر کرتے ہوئے پہلے ٹوپی پھر اچکن پھر اپنا کوٹ اور قمیص اتار پھینک دی تھی۔ خوش قسمتی سے پتلون کا نمبر آنے سے پہلے ہی تقریر ختم ہو گئی۔ سامعین حاضرین جلسہ نے ہل من مزید کے نعرے لگائے اور طرم باز خاں نے بڑی مشکل سے آئندہ جلسے کے وعدے پر جان چھڑائی۔ بعد میں حضرت نقلی نے اخبار کے نمائندوں کو بتایا کہ ہل من مزید کے نعرے پتلون کے سلسلے میں نہیں بلکہ دس روپے فی کس لگایا دہاڑی کے سلسلے میں لگائے گئے تھے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ ہم حضرات جتنی پہلے کبھی پندرہ روپے فی کس کے حساب سے طرم باز خاں کے جلسوں میں آتے رہے ہیں۔ تو صاحبزادے جب سے اس چوراہے کا نام طرم باز خاں کا چوراہا پڑ گیا۔"

"تو یہ طرم باز خاں کا چوراہا ہے کہاں جناب؟" نجم نے جیسے اپنی جان سے عاجز آتے ہوئے پوچھا۔

"ارے بھئی یہ کیا ہے سامنے دس قدم پر فاصلے پر۔"

"لاحول ولا قوۃ" سعید بڑبڑایا۔ پھر زور سے بولا۔ "قبلہ آگے بھی بتائیے نا چوراہے پر پہنچ کر کس طرف جانا ہوگا۔"

"داہنے ہاتھ کی طرف۔" بڑے میاں نے جواب دیا۔ "آگے بڑھ کر جو پہلا بس سٹاپ ہے نا۔ میں نے ابھی آتے ہوئے اس لڑکی کو وہاں بس اسٹاپ پر کھڑے دیکھا تھا۔"

انجم اور سعید بڑے میاں کے منہ سے بس سٹاپ کا نام سنتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔

"استغفر اللہ کیسے بدتمیز نوجوان ہیں۔" بڑے میاں نے غالباً سڑک پر لگے ہوئے کھمبے کو مخاطب کیا۔ "شکریہ تک ادا کرنا نہیں جانتے۔"

مگر جب بس سٹاپ سے پندرہ بیس گز کے فاصلے پر انجم و سعید نے تنویر کو ایک ویگن بس میں سوار ہوتے دیکھا تو ان کی رائے بھی بڑے میاں کے خلوص کے بارے میں کوئی خاص اچھی نہیں تھی۔ بس سٹاپ پر اس وقت ایک ساتھ تین ویگن بسیں کھڑی تھیں۔ وہ دونوں جان توڑ کر بھاگے اور عین اس وقت وہ خالی دوسری بس میں چڑھنے میں کامیاب ہو سکے۔ خیال یہ تھا کہ اگلے سٹاپ پر اتر کر اس بس میں سوار ہو جائیں گے جس میں تنویر کو جاتے دیکھا تھا۔

"دو دو قدم آگے بڑھ جائیں صاحبان۔" کنڈیکٹر نے آواز لگائی۔ "پارٹیشن کے ساتھ جام ہو جائیں صاحبان!"

"تم نے یہ دیکھا تھا کہ وہ بس کس روٹ کی ہے؟" سعید نے انجم سے پوچھا۔

"نہیں تو۔" انجم نے جواب دیا۔

"کمال کرتے ہو۔ اب یہ تمہیں کیا پتہ جو آگے جا رہی ہیں ان میں سے کیسے پہچان سکو گے کہ وہ کس میں ہے۔"

"سامنے تم بھاگ رہے تھے تم نے ہی دیکھا ہوتا۔"

"بھائی لوگ ذرا آگے نکل جائیں۔" کنڈکٹر نے انجم سے کہا۔

"ہمیں اگلے سٹاپ پر اترنا ہے۔" انجم نے جواب دیا۔

"اترنا تو سب کو ہے جی۔ بات اصل یہ ہے کہ ذرا پیچھے چڑھنے والوں کا بھی خیال رکھیں۔"

"درست فرمایا آپ نے۔" انجم نے مجبوراً چند قدم آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ سعید کی نگاہیں ونڈ سکرین سے آگے بس کے ونڈ اسکرین پر جمی ہوئی تھیں۔

"میرے خیال سے یہ جو روٹ نمبر ۱ کی بس آگے جا رہی ہے" سعید نے کہا۔ "میں نے اس کی پچھلی بس میں تنویر کو سوار ہوتے دیکھا تھا۔"

"دیکھو شاید کوئی سٹاپ آ رہا ہے۔" انجم بولا۔ "اگلی بس رک رہی ہے۔"

"میں دروازے کے قریب ہوں۔" سعید نے کہا۔ "اتر کر دیکھ لوں گا اگر وہ اس بس میں ہوئی تو تم بھی اتر آنا۔"

"نہیں میں بھی ساتھ ہی اتروں گا۔" انجم نے اصرار کیا۔

بس آہستہ ہونے لگی۔ انجم اور سعید دروازے کے قریب آ گئے سٹاپ آیا۔ بس رکی۔ انجم اور سعید اترے۔ دیکھا کہ سب سے اگلی

بس جو قطار میں سب سے آگے تھی ان کی بس کے رکنے سے پہلے رک چکی تھی، روانہ ہونے ہی والی ہے۔ دو دبلے پتلے شاہد دوڑ پڑے۔ درمیان والی بس کی تین کی نشست سے تین ٹیڈی لڑکیاں ہاتھوں میں مختلف چیزوں کے پارسل اٹھائے نیچے اتر رہی تھیں ایک نیچے اتر چکی تھی۔ ادھر سعید بھاگ کر دروازے کے قریب آیا۔ دوسری ٹیڈی نے ٹوکری کی ٹوکری ہاتھ میں سے فٹ پاتھ پر قدم رکھا۔ پیچھے پیچھے سعید کو محبوب سے ہم آغوش ہونا تھا۔ تم نے دوست کا یہ حشر دیکھا تو ریک لگا تھے جیسے تھوڑا سا ترچھا ہو کر قریب سے نکلنا چاہا اور پہلی لڑکی کی گود میں جب گرا جو ایک ہاتھ میں کریپ لپیٹے اور دوسرے لوازمات کا پارسل پکڑے دوسرے ہاتھ سے فٹ پاتھ پھیلی ہوئی سیمپال اٹھا رہی تھی تیسری لڑکی نے اترتے اترتے ایک قدم پیچھے کھینچ لیا۔ مگر اس کے پیچھے آنے والی برقعہ پوش خاتون اس اچانک حرکت کے لئے تیار نہیں تھیں۔ ان کا پیر اگلی سیڑھی خالی ہونے کی توقع میں آگے بڑھ چکا تھا۔

"او مائی گاڈ۔" تیسری لڑکی نے ایک بار ایک تیز چیخ نکالی۔ اور ایک ہی مرتبہ گرتے ہوئے نیچے کو گری۔

"یو ایڈیٹ۔" دوسری لڑکی نے غصہ سے تملاتے ہوئے ہاتھ چھڑا دیا۔ سعید نے گھبرا کر دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا۔ چٹاخ ایک زبردست آواز آئی۔ سعید کو حیرت تھی اتنے کراہنے پر

کے باوجود اسے چوٹ کا مطلق احساس نہیں ہو رہا تھا۔ ڈرتے ڈرتے انگلیوں کی جھری میں سے جھانک کر دیکھا تو تیسری لڑکی کا ایک ہاتھ کمر سے اٹھ کر گالوں تک آچکا تھا۔ جو خوبصورتی تو نہیں بس کی بیچ پر اسپیکر... پر بیٹھنے کے علاوہ کوئی خاص بات نمایاں نہیں دکھ سکی تھیں۔ سعید نے گھبرا کر گلی بس کی طرف دیکھا۔ وہ رینگتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔

انجم جب ... بس۔ وہ سوسائیوں کو چیدتے ہوئے چل دیا۔ مگر انجم بھائی ... لڑکی نے پکار رکھا تھا۔

"معاف کیجئے ... ندے ہو گئے ..." وہ چیخ رہی تھی

"مجھے افسوس ہے میڈم۔" انجم نے جواب دیا۔ ان کی نظریں سعید پر تھیں جو بس کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ "آپ کی ساتھی کو بچانے کی کوشش میں آپ سے ٹکرا گیا۔"

"جھوٹ کہتے ہو" لڑکی نے گریبان جھٹکا۔ "تم غنڈے ہو اور جان بوجھ کر میرے ... کے لئے بھاگ گئے تھے"

"یس مائی ڈارلنگ" اچانک انجم نے کہا۔ "آئی لو یو۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ تم پر مرتا ہوں۔"

اس نے دونوں ہاتھ بڑھا کر لڑکی کو آغوش میں لینے کی کوشش کی ... لڑکی بے اختیار گھبرا کر پیچھے ہٹی۔

"تھینک یو میڈم" انجم نے آزاد ہوتے ہی بس کی طرف چھلانگ

...دی۔ بھاگتے بھاگتے اس نے دیکھا کہ ایک کلینر نے سعید کا ہاتھ ... پکڑ کر فٹ بورڈ پر لے لیا ہے۔ وہ بے تحاشہ پوری طاقت ... سے بھاگنے لگا۔

مگر عجیب بات تھی۔ بس پر چڑھنے کے باوجود سعید یوں ... چلا رہا تھا جیسے اب بھی سوار ہونے کے لئے بھاگ رہا ہو ... نہیں اس کا کنڈکٹر سے جھگڑا تو نہیں ہو گیا۔ انجم نے بھاگتے ہوئے ... بس کا ڈنڈا بالکل قریب آ گیا تھا۔ ایک مسافر نے اسے سنبھالنے کے لئے ہاتھ بھی بڑھا دیا تھا کہ سعید کی چیختی ہوئی آواز ... کے کانوں سے ٹکرائی۔

"انجم بھائی۔ غلط جا رہا تھا۔ بس پر مت چڑھنا۔ ذرا رک کر پیچھے گھوم کر دیکھو تو"

انجم کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ آخر وہ یہ کہنا چاہتا ہے۔ پھر بھی ... غیر شعوری طور پر اس نے پلٹ کر دیکھا۔ مگر چمکتی ہوئی روشنیوں میں ... کوئی خاص بات نظر نہیں آئی ... بہت زور رہ گیا تھا ... اس کے ہاتھ میں بس کا ڈنڈا آ گیا اور دو تین مسافروں کے ... سعید نے بھی سہارا دے کر اسے بس پر سوار کر لیا۔

"یہی منع کر رہا تھا تو کیوں چڑھے" سعید نے بگڑتے ہوئے کہا۔ "معلوم ہے وہ اسی بس پر تھی جس سے ہم سفر کر رہے تھے ... نے اپنی آنکھوں سے اسے اتر کر صدر کی بس میں سوار ہوتے دیکھا ہے۔"

انجم اور سعید اگلے اسٹاپ سے پہلے بس سے نہیں اترے۔

"وہ انیس نمبر کی بس تھی۔" سعید کہہ رہا تھا۔ "میں نے دونوں کو پندرہ نمبر پڑھ لیے تھے۔ اس کا روٹ بھی مجھے معلوم ہے۔ بس جلدی سے کوئی ٹیکسی مل جائے تو ہم اب بھی اسے کسی اسٹاپ پر پکڑ سکتے ہیں۔ یوں وہ کم سے کم بیس منٹ میں صدر پہنچے گی۔"

"جب تم نے دیکھ لیا تھا تو اس بس پر کیوں چڑھے۔" انجم نے پوچھا۔

"بس پر چڑھنے کے بعد دیکھا تھا۔"

"اب یہاں ٹیکسی کہاں ملے گی۔" انجم نے مایوسی سے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ "قریب سینما کے ٹیکسی اسٹینڈ تک جانا پڑے گا۔"

"ذرا انہیں دیکھنا۔" سعید نے انجم کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اشارہ کیا۔

پندرہ بیس قدم آگے سڑک کے بائیں جانب ایک بڑی دکان کے سامنے نئے ماڈل کی شیورلٹ کار کھڑی تھی۔

"یہ ٹیکسی نہیں ہے کار ہے۔" انجم نے جواب دیا۔

"وہ تو میں بھی دیکھ رہا ہوں۔"

"تو پھر؟"

"کیا ارادہ ہے۔" سعید نے تیز لہجہ میں پوچھا۔

"کار چوری کرو گے؟"

"ارے نہیں، کار والے سے کہیں گے کہ ہمیں صدر تک چھوڑ دے۔"

"تم نے کہا اور اس نے چھوڑ دیا۔" انجم نے طنزیہ لہجے میں جواب دیا "میرے بھائی وقت مت ضائع کرو۔ ٹیکسی اسٹینڈ چلو چپ چاپ۔"

اسی وقت دکان سے ایک لڑکی ہاتھ میں بیگ لئے نمودار ہوئی۔ اس کا رخ کار کی جانب تھا۔

"بن گیا کام۔" سعید چٹکی بجاتے ہوئے بولا۔ "آؤ چلو۔"

"ابھی تین ہرکولوں کے ہاتھ سے پٹتے پٹتے بچے ہو۔" انجم نے کہا "کیا صدر کے تھانے پولیس اسٹیشن پہنچنے کا ارادہ ہے۔"

"تم آؤ تو سہی۔" سعید اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے بولا۔ "لڑکیوں کے ہاتھ سے پٹیں ہمارے دشمن۔ اور پھر فرض کرو اس نے ایک دو ہاتھ مار بھی دیے تو یہاں کون دیکھنے والا ہے۔ دو سے زیادہ مارنے کا اسے موقع نہیں ملے گا۔ ہم پہلے ہی بھاگ چکے ہوں گے۔"

سعید اسے تقریباً گھسیٹتے ہوئے سڑک کے دوسری جانب لے چلا۔ لڑکی کار کے قریب آکر دروازہ کھول رہی تھی کہ یہ دونوں اس کے قریب پہنچ گئے۔

"مادام میں ایک درخواست کر سکتا ہوں۔" سعید نے بڑے ادب سے کہا۔

"جی۔" لڑکی نے چونک کر سعید کو سر سے پیر تک گھورا۔

"ایک مرتبہ دردیکھ لیجیے۔ ہم بہت شریف آدمی ہیں۔ بالکل برا نہیں مانیں گے۔" سعید نے بڑی متانت سے کہا۔

"کیا چاہتے ہیں آپ؟" لڑکی نے ماتھے پر بل ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"یہ میرے بھائی ہیں۔" سعید نے انجم کی طرف اشارہ کیا۔ "ان کی بیگم پر دل کا زبردست دورہ پڑا ہے۔ ڈاکٹر نے"

"معاف کیجیے، میں اس طرح کی کئی داستانیں سن چکی ہوں۔" لڑکی نے ناگواری سے کہا۔ "میں آپ کی کوئی مدد نہیں کرسکتی۔ آپ کو شرم آنی چاہیے۔ بظاہر آپ اچھی صحت کے مالک ہیں۔ جسم پر کپڑے بھی معمولی قیمت کے نہیں ہیں۔ مانگنے کے بجائے"

"صرف سات منٹ رہ گئے ہیں۔" انجم نے گھڑی دیکھتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"مادام! آپ ہمیں بالکل غلط سمجھ رہی ہیں۔" سعید نے جلدی جلدی بولنا شروع کردیا۔ "ہم کوئی بھیک نہیں مانگ رہے ہیں۔ ان کی بیگم پر دل کا شدید دورہ پڑا ہے۔ ڈاکٹر نے جو دوا لکھ کر دی ہے وہ یہاں کسی دکان پر نہیں مل رہی ہے۔ ایک صاحب سے معلوم ہوا کہ صدر میں کوئی بہت بڑی دواؤں کی دکان ہے وہاں سے مل سکے گی مگر آپ دیکھ رہی ہیں کہ اس واہیات سڑک پر کوئی ٹیکسی رکشہ تک نظر نہیں آرہا ہے۔ پلیز آپ ہمیں صدر تک لفٹ دے دیں۔ ہم شکر گزار رہیں گے۔"

"اوہ!" لڑکی کے چہرے کے تاثرات کچھ نرم پڑے۔ "اتفاق سے آپ اس وقت اس علاقے کی سب سے بڑی دواؤں کی دکان پر کھڑے ہیں۔ آئیے، میں یہاں نوکری کرتی ہوں۔"

"جی۔ وہ اس کی دکان؟" سعید نے چونک کر دکان کی طرف دیکھا۔

"جی ہاں۔ آئیے۔" لڑکی کار کا دروازہ بند کرکے واپس گھومی۔

سعید نے انجم کی طرف بے بسی سے دیکھ کر شانے جھٹکائے۔ مگر اب نوبت مسرت سے نکل گئی تھی۔ بجبر لڑکی کے پیچھے چلتے ہوئے دکان میں داخل ہوئے۔

"ذرا دکھائیے، ڈاکٹر صاحب نے کون سی دوا تجویز کی ہے۔" لڑکی نے کاؤنٹر کے قریب رکتے ہوئے سعید سے کہا۔

"نکالو انجم بھائی۔ ڈاکٹر صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا پرچہ۔" سعید نے اپنی بلا انجم کے سر ٹالی۔

"پرچہ۔" انجم نے جیبیں ٹٹولنا شروع کیں۔ "وہ تو شاید میں نے تمہیں دے دیا تھا۔"

"ارے۔" سعید نے زور سے پیشانی پر ہاتھ مارا۔ "کہیں وہ اس کوٹ میں تو نہیں رہ گیا جو میں پہلے پہنے ہوئے تھا۔"

"آپ کو دوا کا نام تو یاد ہوگا۔" سیلزمین نے پوچھا۔ لڑکی عجیب نظروں سے انجم اور سعید کو گھور رہی تھی۔

"نام۔" سعید نے جیسے ذہن پر زور دیتے ہوئے دہرایا۔ "جی ہاں

بعد میں اس کا نام تھا۔ دیکھیے یاد آ گیا۔ پیراکزو بانڈوٹ۔ جی ہاں تو … مزاحمت
باسٹل یہی نام ہے۔

"پیرا کزو بانڈوٹ" سیلزمین چونکا۔ "میں پہلی مرتبہ اس دوا کا
نام سن رہا ہوں۔ کیا یہ نئی آئی ہے؟"

"یہ تو ہمیں معلوم نہیں۔" سعید نے سر ہلایا۔ "ویسے ڈاکٹر صاحب بتا رہے
تھے … انسٹیٹیوٹ … نے برسوں کی تحقیق کے بعد
حال ہی میں … جس کے استعمال کی سفارش کی ہے۔
یہ دوا ہوگی آپ کے یہاں؟"

"جلدی۔" انجم نے گھڑی دیکھتے ہوئے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "صرف
چودہ منٹ رہ گئے ہیں۔"

"جی نہیں۔" سیلزمین نے جواب دیا۔ "یہ دوا ہمارے پاس نہیں ہے۔"

"پلیز جلدی کیجیے۔" سعید نے لڑکی سے کہا۔ "ڈاکٹر صاحب نے کہا تھا
اگر بیس منٹ کے اندر دوا نہیں آئی تو مریضہ کا انتقال بھی ہو سکتا ہے۔"

"آئیے۔" لڑکی نے سعید سے زیادہ انجم کی بسورتی ہوئی صورت سے
متاثر ہو کر کہا۔ تینوں تیز قدموں سے باہر کی طرف چلے۔

"اگر یہ کوئی نئی دوا ہے۔" سیلزمین نے پکار کر کہا۔ "تو صدر کے …
میڈیکل اسٹور میں دیکھیے کا شاید مل جائے گی۔"

پتہ نہیں سیلزمین نے سچ مچ ہر جائی میڈیکل اسٹور کہا تھا یا یہ سعید
کے کانوں کی خرابی تھی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ پیراکزو بانڈوان جیسی دوا کا

…ی کی طرف بھی توجہ لگی ہو اور کسی کی رعایت سے
…نسٹو کا نام تجویز کر دیا ہو۔ بہرحال ان سوالوں پر غور کرنے کا
…نہ تو وقت سعید اور انجم تیزی کے ساتھ باہر نکلے۔ کار میں
…کی نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے کار اسٹارٹ کر دی۔
"ہمیں صدر کے کسی بس اسٹاپ پر جانا ہے۔" سعید نے کہا۔ "بس جیسے
…ٹ سے جیسے ہو کہ پانچ چھ منٹ میں پہنچ جائیں۔"

"سعید بھیا! تیرہ منٹ رہ گئے۔" انجم جیسے رونے والی ہو رہی تھی۔
"حوصلہ رکھو انجم جیسی۔" سعید نے تسلی دی۔ "خدا نے چاہا تو دوا ضرور
…ئے گی۔"

…ی۔" لڑکی نے کار ریورس کرتے ہوئے پلٹ کر سعید کی طرف دیکھ
…مل جائے گی۔"

…م۔ یہ مطلب ہے۔ دوا ضرور مل جائے گی۔" سعید نے جلدی
…ذرا رفتار تیز کیجیے۔ آپ کی کار تو جیسے پیدل چل رہی ہے۔"
"آپ کس بس اسٹاپ پر اترنا چاہتے ہیں؟" لڑکی نے سپیڈ
…تے ہوئے پوچھا۔ "دواؤں کی دکانیں تو وہاں سے کافی فاصلے پر ہیں۔"
"جی … وہاں۔ ہمیں اپنے بھائی سے کچھ پیسے بھی تو لینے ہیں نا۔
…آپ کے سامنے … کا ریسٹورنٹ ہے۔" سعید نے کہا۔
"کیا نام ہے ریسٹورنٹ کا؟" لڑکی کے سوالات سعید کے لیے
… بنے ہوئے تھے۔

"تو یہ ریسٹورنٹ۔ بے ساختہ سعید کے منہ سے نکل گیا۔

"کوئی نیا کھلا معلوم ہوتا ہے۔ لڑکی نے پوچھا۔

"جی ہاں بالکل ابھی ابھی کھلا ہے۔"

"جی۔

"میرا مطلب ہے حال ہی میں اس کا افتتاح ہوا تھا۔ سعید نے جیب سے رومال نکال کر پیشانی پر پھیرا۔

لڑکی خاصی تیز رفتاری اور مہارت سے کار چلا رہی تھی۔ بڑی بے فکری جیسے انداز میں لگتا تھا کہ جلد سے جلد منزل پر پہنچنے کی ما نگ رہا تھا۔

آگے چل کر بائیں ہاتھ والی گلی میں مڑ گئیں تو سعید سے رہا نہ جا سکا۔ جا رہی ہیں۔ تم غلط راستے پر۔

"آپ کا مطلب ہے سمر اسٹریٹ سے۔ لڑکی نے جواب دیا۔

"مگر وہ تو ون وے ہے۔"

"جی ہاں۔ اس طرف سے جا سکتے ہیں۔ ادھر سے نہیں آ سکتے۔

"میرا خیال ہے کہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ لڑکی مسکرائی۔ ادھر سے نہیں جا سکتے ادھر سے آ سکتے ہیں۔"

"آپ بھول رہی ہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔

"آپ کہتے ہیں تو ہو سکتا ہے میں ہی بھول رہی ہوں۔ کسی کانسٹیبل نے روکا تو آپ ذمہ دار ہوں گے۔"

"جی ہاں بالکل۔ سعید نے سر ہلایا۔

لڑکی نے سمر اسٹریٹ میں کار موڑ دی۔ بظاہر کوئی ٹریفک کانسٹیبل نظر نہیں آ رہا تھا۔ سعید نے اطمینان کی سانس لی۔ کچھ دور آگے چل کر سامنے سے ایک کار کی ہیڈ لائٹس نظر آئیں۔

"دیکھیے میں نے کہا تھا۔ لڑکی بولی۔ ہم غلط آ رہے ہیں۔"

"جی نہیں یہ کار غلط آ رہی ہے۔ سعید نے جواب دیا۔ کار ہماری جانب ہوئی قریب سے گزری اس میں صرف ڈرائیور ہی تھا۔

اب تو آپ کو یقین آ گیا ہوگا۔ سعید نے کہا۔

"کیا مطلب۔ لڑکی نے پوچھا۔

اس میں صرف ایک آدمی تھا۔ جب کہ ہم دو ہیں۔ سعید نے جواب دیا۔ مسکراہٹ بھی ضبط نہیں کی۔

کار اسٹریٹ سے نکل رہی تھی کہ کسی ٹریفک کانسٹیبل کی سیٹی سنائی دی۔

"مزید ثبوت کی ضرورت۔ کانسٹیبل نے اس کار کو روکنے کے لیے سیٹی بجائی ہے۔ دیکھیے پیچھے کا سب چالان کیے بغیر نہیں مانتے تھے۔"

"مگر وہ تو پیچھے رہ گئی ہے۔ لڑکی نے جواب دیا۔

"ممکن ہے کانسٹیبل اتنی دیر تک جیب میں سیٹی تلاش کرتا رہا ہو۔" سعید نے خیال ظاہر کیا۔

"میرا تو خیال ہے کہ ہمیں دیکھ کر بجائی ہے۔ لڑکی نے کار

ایک سائڈ میں روڈ کی بیرک کا بس اسٹاپ سامنے ہی تھا۔ سیٹی
کی آواز برابر آ رہی تھی۔ لڑکی نے کھڑکی سے سر نکال کر جھانکا۔ ایک
کانسٹیبل دوڑتا ہوا ان کی طرف آ رہا تھا۔

"وہ دیکھیے کانسٹیبل آ رہا ہے۔"

"اچھا۔" سعید نے دروازہ کھول کر اترتے ہوئے کہا۔ "آپ فکر نہ کیجئے۔
اسے دیکھیے کیسی خبر لیتا ہوں۔"

انجم بھی اتر آیا تھا۔ کانسٹیبل کار کے قریب آ کر رک گیا۔

"ہاں جناب۔" سعید اس کے کچھ کہنے سے پہلے بول اٹھا۔ "یہ آپ
لڑکیوں کو دیکھ کر سیٹی کیوں بجاتے ہیں۔ کیا نام ہے آپ کا، نمبر کیا ہے۔
کس تھانے سے تعلق ہے۔ ڈپٹی کمشنر ظفر یار خاں میرے بہنوئی ہیں۔
میں ابھی انہیں فون کرتا ہوں۔" "مگر آپ نے کیا سمجھ کر سیٹی بجائی تھی۔"

کانسٹیبل بوکھلا کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ لڑکی حیرت سے سعید کی
طرف دیکھ رہی تھی۔

"آپ جائیے۔" سعید ہڑبڑا کر لڑکی سے مخاطب ہوا۔
"ہم رپورٹ کر کے ابھی آتے ہیں۔" "پھر تو آپ زحمت نہ کریں۔ آپ کا بہت
بہت شکریہ۔"

لڑکی مسکرائی اور کار آگے بڑھ گئی۔ سعید کانسٹیبل کی طرف مڑا۔
"ہاں جناب۔" وہ جیب سے نوٹ بک نکالتے ہوئے بولا۔
"کیا نام ہے آپ کا۔"

"آ۔ آپ لوگ غلط سمت سے آ رہے تھے۔" کانسٹیبل جلدی سے بولا۔
"یہ ون وے ہے۔"

"یہ ون وے ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ لڑکیوں کو دیکھ کر
سیٹی بجائیں گے۔"

"معاف کیجئے گا مجھے معلوم نہیں تھا کہ ڈپٹی کمشنر صاحب آپ
کے بہنوئی ہیں۔ آپ جا سکتے ہیں۔" کانسٹیبل نے جواب دیا۔

"وہ تو ہم چلے ہی جائیں گے مگر۔"

"چھوڑو بھئی۔" انجم نے سعید کا بازو پکڑا۔ "غریب سے ابھی سے
بس ایک غلطی ہو گئی۔ وہ تمہیں جانتا نہیں تھا۔"

"جی ہاں۔ جی ہاں۔" کانسٹیبل نے کہا اور جلدی سے سلام کر کے
آگے بڑھ گیا۔

انجم اور سعید بس اسٹاپ کی طرف لپکے۔ انجم کی گھڑی کے مطابق
صرف دو منٹ رہ گئے تھے۔

"مجھے نہیں معلوم تھا۔" اس نے تیزی سے قدم اٹھاتے ہوئے کہا
"کہ تمہاری بہن بھی ہیں جن کی شادی ڈپٹی کمشنر صاحب سے ہوئی ہے۔"

"مجھے بھی نہیں معلوم تھا۔" سعید نے جواب دیا۔ "وہ تو کانسٹیبل
کو دیکھ کر اچانک یاد آ گیا۔"

دونوں بس اسٹاپ پر پہنچے۔ انیس نمبر کی ایک بس اسی وقت آ کر
رکی تھی۔ تنویر ایک سے کتابیں اور دوسرے ہاتھ سے بیگ سنبھالتی ہوئی اتری۔

"شکریہ۔" انجم نے ایک گہری سانس لی۔ تنویر بس سے اترنے کے بعد سڑک پار کرنے کے انتظار میں کھڑی ہوئی تھی۔

"مجھ سے تو ان کا تعارف بھی نہیں ہے۔" سعید نے کہا۔ "تم ہی بات کرنا۔"

انجم نے اثبات میں سر ہلایا اور قدم بڑھا کر تنویر کے پاس پہنچا۔

"السلام علیکم مس تنویر۔ کئی دن کے بعد آپ لائبریری میں نظر ہی نہیں آئیں۔"

"جی ہاں آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ بہر حال میں لائبریری کی ممبر تو رہ سکتی ہوں۔" تنویر نے جواب دیا۔

"جی ہاں۔ جی ہاں۔ مگر وہ۔ دیکھئے نا۔ مجھے انتظار تھا آپ کا۔"

"وہ کس سلسلے میں۔"

"اشفاق صاحب بتا رہے تھے کہ ادب کے بارے میں آپ کا ذوق بڑا ستھرا ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ مطالعہ کے سلسلہ میں آپ سے کچھ مشورہ کر لیا جائے۔"

"تعجب ہے۔" تنویر نے حیرت سے کہا۔

"کس بات پر۔"

"آج آپ مجھ سے ڈر نہیں رہے ہیں۔"

"وہ۔" انجم مسکرایا۔ "اس دن تو میں مذاق کر رہا تھا۔ ورنہ گستاخی معاف۔ آپ تو بہت خوبصورت ہیں۔"

"تعریف کا شکریہ۔" تنویر نے قدم اٹھایا۔ "چلیے خدا حافظ۔"

"ارے۔ ارے۔ سنئے تو سہی۔"

"کیا بات ہے۔ فرمائیے۔" تنویر رک گئی۔

"آج آپ لائبریری گئی تھیں۔"

"جی ہاں۔ گئی تھی۔"

"یہ کتابیں وہیں سے لی ہیں۔"

"ظاہر ہے۔"

سعید قریب آ کر کھنکارا۔

"ان سے ملئے۔ یہ میرے دوست سعید صاحب ہیں۔" انجم نے تعارف کرایا۔

"آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی تنویر صاحبہ۔" سعید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مگر مجھے کوئی خوشی نہیں ہوئی۔" تنویر نے جواب دیا۔ "آپ گلشن لائبریری کے ممبر تو نہیں ہیں۔"

"جی نہیں۔ آپ کہیں تو بن جاؤں گا۔"

"خدا کے لئے ایسا غضب بھی مت کیجئے گا۔" تنویر جلدی سے بولی۔ "ورنہ مجھے اپنی ممبرشپ ختم کرنا پڑے گی۔"

"وہ کیوں۔" سعید نے پوچھا۔

"ایک لائبریری میں ایک ہی بور ممبر کافی ہوتا ہے۔" تنویر نے انجم کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"تعجب ہے آپ میرے بارے میں ایسی رائے رکھتی ہیں۔" سعید نے سادگی سے کہا۔ "انجم جب آئی تو آپ کی بہت تعریف کر رہے تھے۔"

"آئیے کہیں بیٹھ کر چائے پی جائے۔" انجم نے دعوت دی۔

"جی نہیں، شکریہ۔" تنویر نے خشک لہجہ میں جواب دیا۔ اور آگے بڑھ گئی۔

"دیکھیے وہ بات تو رہ ہی گئی جو میں کہنا چاہتا تھا۔" انجم نے جلدی سے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

"کون سی بات۔" تنویر رکی نہیں تھی۔

"یہ کتابیں آپ کے پاس عذرا اور عذرا کی واپسی ہیں نا۔"

"جی ہاں۔ تو پھر؟"

"میں نے اخلاق صاحب کے پاس بہت دن سے فرمائش نوٹ کرائی ہوئی تھی۔" انجم نے کہا۔ "اور انھوں نے وعدہ کیا تھا کہ جب بھی لائبریری میں یہ کتابیں آئیں تو وہ پہلے مجھے پڑھنے کا موقع دیں گے۔"

"تو پھر انھوں نے کتابیں مجھے کیوں جاری کر دیں۔"

"وہ بھول گئے تھے۔" انجم نے جواب دیا۔ "مگر چلیے کوئی بات نہیں۔ میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ آپ ایک دن کے لیے کتابیں مجھے دے دیں۔ میں کل پڑھ کر آپ کو واپس کر دوں گا۔"

"کہاں واپس کر دیں گے۔"

"لائبریری میں۔ یا آپ چاہیں تو آپ کے گھر پر۔" انجم نے جلدی سے کہا۔

"جی نہیں۔ میں کتابوں کے بہانے آپ کو اپنے گھر تک پہنچنے کا موقع نہیں دینا چاہتی۔" تنویر نے جواب دیا۔ "اور نہ ہی میرے پاس اتنا وقت ہے کہ کل کتابیں لینے کے لیے لائبریری کا ایک چکر اور لگاؤں۔"

"دیکھیے میں ممنون ہوں گا آپ کا اگر آپ...."

"مگر میں آپ کو ممنون کرنا نہیں چاہتی۔"

"اچھا صرف ایک دو گھنٹے کے لیے دے دیں۔"

"جی نہیں۔ واپسی کا سوال تو پھر بھی باقی رہے گا۔"

"مجھے ان میں ایک خاص چیز دیکھنا ہے۔" انجم نے خوشامد کی۔ "آئیے چل کر کسی ریسٹورنٹ میں بیٹھتے ہیں۔ جب تک آپ چائے پئیں گی میں اتنی دیر میں کتابیں دیکھ کر آپ کو واپس کر دوں گا۔"

"مجھے اس تجویز سے اتفاق نہیں ہے۔ ریسٹورنٹ میں مجھے آپ کے ساتھ دیکھ کر لوگوں کو غلط فہمی ہو سکتی ہے۔" تنویر نے بڑے سرد لہجہ میں جواب دیا۔ "اور براہ کرم آپ میرے ساتھ بھی نہ چلیے۔"

"تو آپ کتابیں نہیں دکھائیں گی۔"

"جی نہیں۔"

"آپ کو معلوم ہے تنویر صاحب۔" انجم نے بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "کچھ دیر پہلے میں نے جو کچھ آپ کے بارے میں کہا تھا بالکل غلط تھا۔ آپ خوبصورت تو کیا ٹھیک سے بدصورت بھی نہیں ہیں۔ میں نے زندگی بھر آپ سے زیادہ بدمزاج و بے مروت لڑکی نہیں دیکھی۔ اس دن لائبریری میں، میں بالکل مذاق نہیں کر رہا تھا۔ آپ کی صورت واقعی اتنی خوفناک ہے کہ مجھ جیسے شریف آدمی دیکھ کر سہم جاتے ہیں۔ اچھا خدا حافظ۔"

وہ وہیں رک گیا۔ تنویر کوئی جواب دیے بغیر خاموشی سے سڑک پار کر گئی۔

سعید قدم بڑھا کر انجم کے قریب آ گیا۔

"تم نے اسے جانے کیوں دیا؟" وہ بولا۔

"کوئی اور ترکیب کرنا پڑے گی سعید بھائی۔" انجم نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "تنویر کسی صورت کتابیں دینے پر آمادہ نہیں ہے۔"

سعید نے سڑک کے دوسری جانب دیکھا۔ تنویر بیگ ہلاتی ہوئی ایک بڑی سی کتابوں کی دکان میں داخل ہو رہی تھی۔

"تم نے اپنی کوشش کر لی۔ اب بندوں کو اپنے داؤں آزمانے دو۔"

اس نے سوچتے ہوئے کہا۔ "یہ صاحبزادی بھی کیا یاد کریں گی۔"

"کیا کرو گے؟"

"کچھ بھی کروں۔ بہرحال کتابیں حاصل کیے بغیر پیچھا نہیں چھوڑنا چاہیے۔ آؤ میرے ساتھ۔"

"کوئی سنگین شرارت مت کرنا۔" انجم نے کہا۔ "تمہیں معلوم ہے میں اس سے محبت کرتا ہوں۔"

"ایسی نک چڑھی لڑکی سے محبت کرنے سے تو بہتر ہے کہ آدمی کسی بکری سے پیار کرنے لگے۔" سعید نے سڑک کراس کرتے ہوئے کہا۔

"اچھی بات ہے تو میں کل ہی سے نرگس پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کرتا ہوں۔" انجم نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا؟" سعید نے گھور کر انجم کو دیکھا۔

"کچھ نہیں۔" انجم مسکرایا۔ "تمہارے پڑوسی میر صاحب نے ایک بکری خریدی ہے اس کا نام انھوں نے نرگس رکھا ہے۔"

"ذرا ہوش میں صاحبزادے۔" سعید نے بظاہر بڑے غصے سے جواب دیا۔ "ورنہ میں اپنے محلے کی ساری مرغیوں کا نام تنویر رکھ دوں گا۔"

تنویر جس دکان میں داخل ہوئی تھی وہ خاصی بڑی دکان تھی۔ چاروں طرف شیشے لگی الماریاں کتابوں سے بھری ہوئی کھڑی تھیں۔ سامنے ایک گوشے میں نیم دائرے کی شکل میں ایک چھوٹا سا کاؤنٹر

بنا ہوا تھا جس کے پیچھے بری ڈالے ایک بیوقوف سا نوجوان آنکھیں پھاڑے
دیکھ رہا تھا۔ تنویر نے ہاتھ میں پکڑا ہوا بیگ اور دونوں کتابیں کاؤنٹر
پر رکھ دی تھیں۔ انجم اور سعید بلا جھجکے کاؤنٹر تک بڑھتے چلے گئے۔
"اب آپ مجھے دیکھ چکے ہوں تو دو چار کتابیں نکال دیں۔" تنویر
نے بڑے نرم لہجہ میں کہا۔
"جی۔ جی۔ جی ہاں۔ ضرور۔ فرمائیے۔" وہ کچھ جھینپ کر بولا۔
قدموں کی آہٹ سن کر تنویر نے پلٹ کر دیکھا مگر کیا مجال جو
اس کے چہرے پر شناخت کا کوئی تاثر نمودار ہوا ہو۔ انجم تنویر کے
قریب کاؤنٹر سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ سعید اس سے ذرا پیچھے تھا۔
"فرمائیے۔" نوجوان بک سیلر نے پہلے کتاب کی جلدیاں نکالنا
مناسب سمجھا۔
کتابیں انجم کی دسترس کے اندر تھیں۔ تنویر نے دیکھا کہ اس
کی نظریں مسلسل کتابوں پر جمی ہوئی تھیں۔ اس نے اپنا بیگ کھول
کر کتابیں ٹھونس ٹھونس کر اس میں رکھنے لگی۔ مگر شاید بیگ میں کچھ دوسری
چیزیں نامحرموں کو جگہ دینے کے لئے آمادہ نہیں تھیں۔ بڑی مشکل
سے ایک کتاب ٹھونس ٹھانس کر اندر رکھ کر تنویر نے بیگ بند کر دیا۔
"آپ کے پاس علامہ شرافت کی لکھی ہوئی کتاب 'دیکھو بان جاؤ'
ہوگی۔" انجم نے تنویر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"جی۔ اس نام کے تو کوئی علامہ ہی نہیں ہیں۔" نوجوان بک سیلر

نکلیں چپکا ہوں۔
"کیوں جناب! میں جو اتنی دیر سے یہاں کھڑی جھک مار رہی
ہوں وہ کچھ نہیں۔" تنویر نے بگڑتے ہوئے کہا۔ "پہلے آپ میری
کتابیں نکال لیجئے۔"
"جی۔ میں نے سوچا کہ ان حضرات سے نمٹ کر آپ کو اطمینان
سے کتابیں نکال کر دوں۔"
"آپ نے بالکل درست سوچا تھا۔" انجم بولا۔ "حسین گاہکوں
سے تنہائی میں ہی بات کرنا چاہیئے۔"
"اگر آپ نے مجھے کتابیں نہیں دیں تو واپس چلی جاؤں گی۔"
تنویر نے تیزی سے کہا۔
"چلئے آپ پہلے انہیں ہی نکال دیجئے۔" سعید نے گویا جھگڑا ختم
کرنا چاہا۔ "ویسے آپ بتا سکتے ہیں کہ شاعر الملک تنویر صدیقی صاحب
کے تازہ کلام کا مجموعہ میری بھابھی دکھا دو کتابیں ہیں چھپ کر آ گیا
ہے یا نہیں۔"
"جی نہیں۔ ابھی تک تو نہیں آیا۔" نوجوان بک سیلر نے جس
رَو میں کہہ گیا تھا۔ ایک دم چونک کر بولا۔ "کیا کہا تھا آپ نے۔ کس
کے تازہ کلام کا مجموعہ۔"
"کچھ نہیں۔ پہلے آپ ان سے بات کر لیں۔" سعید نے دوسری
طرف منہ پھیرتے ہوئے جواب دیا۔ شاید وہ ہنسی چھپانے کی کوشش

کورہا تھا۔

"جی۔" بک سیلر تنویر کی طرف گھوم گیا۔ "فرمائیے آپ کو کونسی کتابیں چاہئیں؟"

"نمبر ایک ڈاکٹر رحمت چاچوب کی کتاب پاگل پن کا نیا موڑ جوتے۔" تنویر نے جواب دیا۔ "نمبر دو پروفیسر جنجر چڑالوی کی تیر نور ڈ بھاگ جاؤ۔ نمبر تین مسٹر لا پنڈ رڈر کی کتاب دکان سے جیب تک بس فی الحال یہی کتابیں نکال دیں۔"

بک سیلر صاحب منہ پھاڑے تنویر کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"محترمہ" اس نے سچ دونوں کانوں میں انگلیاں گھماتے ہوئے جواب دیا۔ "یا تو آپ کچھ اور کہہ رہی ہیں اور میں کچھ سن رہا ہوں یا پھر یک دم سے ایسے غیر معروف مصنفوں نے لکھنا شروع کر دیا ہے جن سے میں واقف نہیں ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ میری دکان میں اس نام کی کتابیں موجود نہیں ہیں۔"

"انجم بھائی تم نے وہ کتاب دیکھی۔" سعید نے ایک الماری کی طرف اشارہ کیا۔ "عنوان ہے ہمیں دھمکائیے نہیں۔"

"اور اس کے برابر میں وہ بھی تو رکھی ہے۔ کیا نام ہے اجی تم بیو تمہارے باپ کا بھی خیال تھوڑی گے۔" انجم نے الماری کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"مجھے ایک کاپی بکواس مت کیجئے دیدیں۔" تنویر بک سیلر سے مخاطب تھی۔

"آپ کا مطلب ہے شوکت تھانوی کی بکواس۔" بک سیلر نے پوچھا۔

"جیسے وہ بھی دے دیں۔"

"شکر ہے ایک کتاب تو سمجھ میں آئی۔" بک سیلر بڑبڑاتے ہوئے کتاب نکالنے لگا۔

"میرے خیال سے ہمارے ذوق کی کتابیں نہیں ہیں۔"

"ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ ان کے پاس وہ ہے۔ جھگڑے سے کوئی فائدہ نہیں۔ ورنہ وہ ہے۔ ہم آپ کی کتابیں کہاں ڈھونڈتے" انجم نے جواب دیا۔ "چلو کوئی دوسری دکان دیکھیں۔"

انجم اور سعید دکان سے باہر چلے گئے۔

"میں نے تم سے کہا تھا کہ مجھے کوشش کرنے دو۔" سعید بگڑنے لگا "مگر تم نے پھر بیچ میں ٹانگ اڑا دی۔"

"میں نے سوچا کہ شاید مان جائے۔ مگر وہ تو بڑی ضدی لڑکی معلوم ہوتی ہے۔" انجم نے جواب دیا۔

"اور اسی ضدی لڑکی سے آپ فرما رہے ہیں محبت۔" سعید نے شاعرانہ شرارت سے صورت ہی سہی مگر اس تنویر سے بہتر ہزاروں لڑکیاں ہیں۔ میرا کہنا مانو بھیا گھر جاؤ ورنہ۔"

"شش۔" انجم نے آہستہ سے کہا۔ "وہ آ رہی ہے۔"

تنویر ایک ہاتھ میں بیگ اور دوسرے میں دو تین کتابوں کا پیکٹ سنبھالے دکان سے باہر نکل رہی تھی۔

"میں تو یہ سوچ رہا ہوں اس وقت فٹ پاتھ پر کوئی نہیں ہے" تنویر
نے سرگوشی کی۔ "ایک جھپٹ مار کر یہ پارسل چھین لیتا ہوں۔"
"ایک کتاب اس نے بیگ میں بھی رکھی ہے۔" انجم نے بھی
سے بتایا۔

"تو پھر ایک ہاتھ پر میں قسمت آزمائی کرتا ہوں۔ دوسرے
پر تم کوشش کرو۔"

"اور اس نے شور مچا دیا تو" انجم بولا۔

"تو اب اتنا رسک تو لینا ہی پڑے گا۔"

"اچھی بات تو بسم اللہ کرو۔"

"پہلے آپ۔" سعید ہچکچایا۔

"جی نہیں پہلے آپ۔"

"مال آپ کا ہے اس لیے پہلے آپ۔" سعید نے دلیل دی۔

"مشورہ آپ کا ہے اس لیے پہلے آپ۔"

تنویر اس وقت فٹ پاتھ پر چلتی ہوئی پندرہ بیس قدم آگے جا چکی تھی۔ اس نے دکان سے نکلتے وقت بھی انجم اور سعید پر کوئی توجہ نہیں دی تھی اور نہ پلٹ کر دیکھا تھا۔

"بس تم اس پہلے آپ میں ہی رہ جانا اور وہ غائب بھی ہو جائے گی" سعید جھلا کر بولا۔

"باری تمہاری ہے تو آگے کیوں نہیں بڑھتے۔"

مگر اس سے پیشتر کہ اس جھگڑے کا کوئی فیصلہ ہوتا قریب کی گلی سے کوئی آدمی تیزی سے نکل کر تنویر سے ٹکرایا اور اس پھرتی سے جھپٹا مار کر بیگ اور پارسل دونوں اس کے ہاتھ سے چھین کر بھاگ نکلا کہ ایک لمحے کے لیے تنویر ہی نہیں انجم اور سعید بھی حیرت زدہ رہ گئے۔

"چور۔ چور۔ چور" تنویر چیخی۔

"پکڑو صاحبزادے! ورنہ وہ بیس ہزار گئے ہاتھ سے۔" سعید نے ایک جست لگاتے ہوئے کہا اور دوسرے لمحے انجم اور سعید دونوں بے تحاشا چور کے پیچھے دوڑے چلے جا رہے تھے۔ کچھ اور لوگ بھی ان کے پیچھے بھاگ پڑے۔

چور بڑی تیز رفتاری سے بھاگ رہا تھا۔ دوسری ہوشیاری اس نے یہ کی تھی کہ پرہجوم سڑکوں کے بجائے گلیوں کی طرف جاتا تھا۔ ایک گلی سے دوسری گلی میں اور دوسری گلی سے تیسری گلی میں۔ مگر انجم اور سعید بھی اس کا پیچھا چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ اچانک چور سیدھا بھاگتے بھاگتے ایک پتلی سی تاریک اور سنسان گلی میں گھوم گیا۔ انجم اور سعید گلی کے موڑ پر پہنچے تو ان سے آگے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز بالکل معدوم ہو چکی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ چور آگے جانے کے بجائے یا تو کسی مکان میں گھس گیا تھا یا کسی اندھیری جگہ چھپ کر ان دونوں کو

دھوکا دینا چاہتا تھا۔

"تم یہیں ٹھہرو۔" سعید نے ہانپتے ہوئے انجم کو گلی کے موڑ پر کھڑے رہنے کی ہدایت کی۔ "میں آگے جاتا ہوں۔ چور اگر یہاں سے نکلنے کی کوشش کرے تو جانے مت دینا۔"

دور ہی سے پرشور رد غل کی آوازیں قریب آتی جا رہی تھیں۔ گویا کچھ اور لوگ بھی چور کے تعاقب میں لگے ہوئے تھے۔ سعید آگے بڑھ گیا۔ انجم نے اپنی سانس درست کرتے ہوئے گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ نو بجنے میں پندرہ منٹ تھے۔ اچانک اسے اپنے سیدھے ہاتھ کی طرف کسی حرکت کا احساس ہوا۔ انجم بجلی سے گھوما۔ ٹھیک اسی لمحہ چور نے ایک جست لگائی اور انجم کو اپنے کندھے سے دھکا دیتے ہوئے آگے نکل گیا۔ انجم نے گرتے گرتے چور کی ٹانگ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ٹانگ پکڑ تو نہیں سکا مگر اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ چور خود بھی الجھ کر دو قدم کے فاصلے پر زمین پر گر پڑا۔ "سعید!" انجم نے آواز دی اور اٹھ کر چور کی طرف لپکا۔

سعید خود بھی زیادہ دور نہیں گیا تھا کشمکش کی آوازیں سن کر پلٹ پڑا تھا۔ چور نے بڑھتے ہوئے انجم کے ایک لات ماری اور اٹھ کر بھاگنے لگا تھا کہ سعید نے دبوچ لیا۔ یہ لڑائی گلی کے سرے پر ہی ہو رہی تھی۔ سعید نے چور کو پکڑا تو ایک لمحہ کے لئے بجلی کی روشنی میں دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور دوسرے لمحہ چور کسی چکنی مچھلی کی طرح اس کی گرفت سے نکل گیا۔ جب سعید اٹھے وہ قریب کی دوسری گلی میں غائب ہو چکا

تھا۔ سعید اس کے پیچھے بھاگنا چاہتا تھا کہ اچانک اس کی نظر کتابوں کے پارسل پر پڑی۔ اسے خیال ہوا کہ چور دونوں چیزیں پھینک کر بھاگ گیا ہے۔ وہ پارسل اٹھانے کے لئے جھکا۔

چور کی لات انجم کے پیٹ پر پڑی تھی۔ بڑی مشکل سے وہ ایک ہاتھ سے پیٹ پکڑے ہوئے سعید کی طرف سنگڑاتا ہوا آ رہا تھا کہ اسی لمحہ دوڑتے ہوئے دس آدمی پکڑو پکڑو کا شور مچاتے ہوئے نمودار ہوئے۔ انھوں نے سعید کے ہاتھ میں پارسل دیکھا اور ٹوٹ پڑے۔

سعید پارسل اٹھا کر سیدھا ہوا ہی تھا کہ اس نے اپنے آپ کو بیسیوں ہاتھوں کی گرفت میں محسوس کیا۔ وہ بے ساختہ چیخ اٹھا۔ میں چور نہیں ہوں۔ مگر اس شور و غل میں اس کی آواز سننے والا کون تھا

سعید اور انجم کو پکڑ کر پہلے تنویر کے سامنے لایا گیا۔ اس وقت تک دو کانسٹبل بھی موقع واردات پر پہنچ چکے تھے۔

"کیوں بہن جی! یہی لوگ آپ کے ہاتھ سے بیگ چھین کر بھاگے تھے؟" ایک صاحب نے انجم اور سعید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

تنویر اس وقت بے حد پریشان اور سہمی ہوئی سی نظر آ رہی تھی۔ چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔ آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا رہے تھے۔

"مجھے نہیں معلوم۔" وہ گھبرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "میں نے کسی کی صورت نہیں دیکھی تھی۔ مگر بیگ والا پارسل چھین کر بھاگ گیا تھا وہ ایک ہی آدمی تھا۔"

"ضرور اور بھی ہوں گے۔" بک سیلر صاحب بھی اپنی دکان سے نکل آئے تھے۔ "یہ بہت دیر سے اس شریف خاتون کے پیچھے پڑے ہوئے تھے۔"

"حضرت آپ لوگوں کو شدید غلط فہمی ہوئی ہے۔" انجم بولا۔ "چور کوئی اور تھا۔ وہ ہمارے سامنے ان صاحبہ کا بیگ اور پارسل چھین کر بھاگا اور ہم اسے پکڑنے کے لیے بالکل اسی طرح بھاگے تھے جس طرح آپ لوگ۔ اور ہم نے اسے جا بھی لیا تھا۔ مگر چور بہت چالاک تھا۔ جان بچانے کے لیے اس نے کہا جاؤ پارسل چھین لو۔ ہم پیچھے رہ گئے، بیگ بھی اسی کے ساتھ پھینک دیا ہوگا۔ اسے اٹھانے کے لیے ہم رکے تھے کہ وہ برابر کی گلی میں غائب ہو گیا۔"

"پکڑے جانے کے بعد سب یہی کہتے ہیں۔" ایک کانسٹیبل نے سخت لہجے میں کہا۔ "تھانے پہنچ کر جب مار پڑے گی تو سب قبول دو گے۔"

"چلیے آپ لوگ اپنا اپنا کام کریں۔ یہاں بھیڑ نہ لگائیں۔" دوسرے کانسٹیبل نے کھڑے ہوئے لوگوں کو ہدایت کی اور پھر مسعود کی طرف دیکھ کر بولا "محترمہ آپ کو ہمارے ساتھ پولیس سٹیشن چلنا پڑے گا۔"

وہ ایک مرتبہ پھر مجمع کی طرف گھوما۔

"جن لوگوں نے ان بدمعاشوں کو پکڑا ہے وہ بھی ساتھ چلیں۔"

"... بک سیلر صاحب ہی کا خیال ہے۔ آپ بھی ساتھ چلیں گے۔"

"کون میں۔" بک سیلر صاحب گھبرا کر دو قدم پیچھے ہٹے۔ "میں نے کیا کیا ہے؟"

"آپ نے ہمارے ملزمان کی نشاندہی کی ہے۔" سعید نے بڑے ادب سے کہا۔ "پولیس اسٹیشن پر آپ نے بیان دیا تو آپ کو عدالت میں بھی جانا پڑے گا۔"

"حوالدار صاحب مجھے کچھ نہیں پتا تھا۔ میں نے کچھ نہیں دیکھا۔" بک سیلر صاحب جلدی سے دکان کی طرف چلے۔

"آپ گھبراتے کیوں ہیں۔" ایک کانسٹیبل نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "ہم آپ کو صرف بیان دینے کے لیے تھانے لے جا رہے ہیں۔"

"میری دکان کھلی ہوئی ہے۔" بک سیلر صاحب نے عذر پیش کیا۔

"تو اسے بند کر دیں یوں بھی تو اب دکان بند کرنے کا وقت ہو گیا ہے۔" دوسرے کانسٹیبل نے جواب دیا۔

"ابھی تو صرف دکان بند کی جا رہی ہے۔" سعید بولا۔ "پھر کسی اور کی طلب ہے۔ مقامات آ د تو قفل ل د رہی ہیں۔"

بک سیلر صاحب نے بڑی آنا کانی کی مگر کانسٹیبل کہاں چھوڑنے والے تھے۔ مجبوراً انہیں دکان کو تالا لگانا پڑا۔ اس مرحلے سے

[illegible] کانسٹیبل پکڑنے والے کی طرف متوجہ ہوئے تو پتہ چلا، آٹھ دس حضرات میں سے صرف ایک صاحب باقی رہ گئے ہیں دوسرے سب ایک ایک کر کے کھسک لیے۔

دیکھیے یہ حال ہے ہماری قوم میں احساس شہریت اور [illegible] قانون کا۔ ایک کانسٹیبل نے ان صاحب سے شکایتاً [illegible] صاحب بھلا ایک ہم سے تو [illegible] تو ہم کیا خاک مجرموں کو [illegible] دبوچ سکیں گے۔

دراصل اس کی ذمہ داری ہے۔ ان صاحب نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ [illegible] پولیس [illegible] گواہوں کو بھی پکڑ کر عدالت میں حاضر کیا کرتی ہے تو [illegible] یہ ہوتی ہے کہ مجرموں کے ساتھی انہیں نقصان نہ پہنچائیں یا [illegible] گواہیاں نہ دلوائیں۔ پھر یہ کہ کچھ لوگوں نے خواہ مخواہ انہیں [illegible] پھنسا رکھا ہے۔ کہا جاتا ہے عدالت میں قدم رکھنے کے بعد پولیس والوں کو یہ یاد نہیں رہتا کہ مدعی کون ہے، ملزم کون ہے اور گواہ کون ہے۔ وہ سب کو ایک آنکھ سے دیکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس بات سے قطع نظر کہ ایک آنکھ سے دیکھنا عین انصاف ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس نوٹ کی تہہ میں کوئی ایک جیسا انسپکٹر یا سب انسپکٹر صاحب ہونگے۔ مگر اب اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ پورے [illegible] میں چھانٹ چھانٹ کر ایسے ہی لائق و فائق بزرگ بھرتی کر دیئے گئے ہیں۔

جی۔ کانسٹیبل نے قصور وار ان صاحب کو دیکھا۔

جی ہاں۔ ذرا سنئے۔ کھری بات کہوں۔ یورپ اور امریکہ وغیرہ میں پولیس [illegible] کی تفتیش کی جاتی ہے کہ ہر آدمی کو اس وقت تک شریف سمجھو جب تک اس کا جرم ثابت نہ ہو جائے۔ پہلی بات تو یہ ہی ضروری نہیں کہ اگر ہم یورپ اور امریکہ کی برائیاں اپنا رہے ہیں تو بھلائیوں کو بھی [illegible] اپنائیں۔ ایک وقت میں ایک ہی کام ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ [illegible] دینے کی بات ہے کہ اگر ہر آدمی کو شریف سمجھنا شروع کر دیا جائے تو پولیس آخر پکڑے گی کسے۔ مجرموں کی تو چاندی ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ ہمارے یہاں کا اصول دیکھئے کتنا صاف [illegible] ہے کہ ہر آدمی کو اس وقت تک مجرم سمجھو جب تک وہ اپنی شرافت نہ ثابت کر دے۔ اس سے زیادہ منصفانہ بات کوئی اور ہو ہی نہیں سکتی۔ بھلا [illegible] کوئی ہمارے آپ کے ماتھے پر لکھا ہے کہ ہم شریف ہیں۔ پہلے اصول [illegible] ثبوت پولیس کی گردن پر ہوتا ہے کہ اب وہ آپ کو مجرم ثابت کر دے۔ جیسے اسے دنیا میں کوئی اور کرنے کا کام ہی نہیں ہے۔ آخر کسی کو خواہ مخواہ کے جھنجٹ میں مبتلا کرنے سے فائدہ۔ جبکہ دوسرے اصول میں ثبوت فراہم کرنا آپ کی ذمہ داری ہے۔ پولیس کو اس دردِ سر میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ آپ ایسے ہی بڑی شرافت [illegible] کرانے پر تلے ہوئے ہیں تو بسم اللہ [illegible] کوشش کیجئے۔ ہو سکتا ہے [illegible] آخر کار رہا ہی ہو جائیں۔

مسٹر۔ دوسرے کانسٹیبل نے ان صاحب کو گھورتے ہوئے پوچھا "آپ کوئی سیاسی لیڈر تو نہیں ہیں۔"

"جی نہیں۔" وہ صاحب کچھ شرما کر بولے "بس قوم کا خادم ہوں۔ کل شام پبلک پارک میں میرا جلسہ ہو رہا ہے۔ ڈیوٹی پر نہ ہوں تو ضرور تشریف لایئے گا۔"

اتنی دیر میں لیڈر صاحب دکان مقفل کر چکے تھے۔ کانسٹیبلوں نے دو ٹیکسیاں پکڑیں۔ ایک میں خود انجم اور سعید کے ساتھ بیٹھے اور دوسری ٹیکسی میں تنویر اور دونوں لیڈر صاحبان کو بٹھایا اور سیدھے صدر پولیس اسٹیشن روانہ ہو گئے۔ جو یوں تو صرف دو فرلانگ کے فاصلے پر تھا لیکن ون وے ٹریفک کی برکت سے تقریباً ایک میل دور ہو گیا تھا۔ ایس ایچ او صاحب موجود نہیں تھے اس لئے ایک سب انسپکٹر کے سامنے پیشی ہوئی۔ کتابوں کا پارسل بھی برآمد شدہ چوری کے مال کی حیثیت سے سب انسپکٹر صاحب کے معائنے سے گذارا گیا۔ کانسٹیبلوں نے بڑی تفصیل سے واردات کی رپورٹ سنائی۔ سب انسپکٹر نے میز پر کہنیاں ٹکاتے ہوئے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کے سرے ایک دوسرے سے ملائے بڑے ماہرانہ انداز میں سر ہلاتے ہوئے انجم اور سعید کی طرف دیکھا "صورت سے تو آپ لوگ بڑے شریف نظر آتے ہیں۔"

کمرے میں حاضرین کا انداز نشست کچھ یوں تھا کہ سب انسپکٹر

صاحب کی میز کے سامنے ایک نیم دائرے کی شکل میں پانچ کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ جن میں سے دو ایس ایچ او صاحب کے آفس سے منگوائی گئی تھیں۔ سب انسپکٹر صاحب کے دہنے ہاتھ پر سب سے پہلی کرسی پر تنویر بیٹھی تھی۔ اس کے برابر لیڈر صاحب ان کے برابر پبلشر صاحب اور پھر سعید و انجم۔ دونوں کانسٹیبل ان دونوں کی کرسیوں کے پیچھے بظاہر اس لئے کھڑے تھے کہ کہیں ملزم بھاگ جانے کی کوشش نہ کریں۔ یہ دوسری بات تھی۔ تنویر باستقلال ان کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی اور ایک چشم دید گواہ [illegible]۔

"خدا آپ کا بھلا کرے انسپکٹر صاحب۔" سعید نے مسکرا کر سب انسپکٹر کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ "اتنے آدمیوں میں حق بات کہنے کی جرأت صرف آپ کو ہوئی ہے۔ ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ ہم چور نہیں ہیں بلکہ چور کو پکڑنے کے لئے بھاگے تھے۔"

"آپ کا نام کیا ہے؟"

"جی میرا نام سعید ہے اور یہ میرے دوست انجم ہیں۔"

"کہاں رہتے ہیں۔" دوسرا سوال کیا گیا۔ جواب میں انجم اور سعید نے اپنا اپنا پتہ نوٹ کرا دیا۔

"دیکھئے یہ بات تو طے ہے کہ آپ ان صاحب کا تعاقب کر رہے تھے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

"جی ہاں یہ بات تو طے ہے۔" انجم نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"تو آپ تسلیم کرتے ہیں۔" سب انسپکٹر نے چونک کر پوچھا۔

"جب تنویر صاحبہ ہمارے آگے آگے چل رہی تھیں تو ہم اس کے علاوہ اور کیا کر سکتے تھے۔"

"تو آپ ان کا نام بھی جانتے ہیں۔"

"جی ہاں یہ بات بھی تقریباً طے تھی سمجھئے۔" سعید بولا۔

"خوب۔" سب انسپکٹر نے معنی خیز لہجہ میں کہا۔ "اور اس تعاقب سے آپ کا مقصد تنویر صاحبہ کا بیگ اڑانا تھا۔"

"جی نہیں شروع میں یہ بات طے نہیں تھی۔" سعید نے جواب دیا "البتہ آخری لمحے میں انجم صاحب نے تجویز پیش کی تھی کہ اب اس کے بغیر چارہ نظر نہیں آتا۔"

"کیوں جھوٹ بول کر گنہگار ہوتے ہو۔" انجم بول پڑا "یہ تجویز میری تھی یا تمہاری۔"

"مگر تائید تو تم نے بھی کی تھی۔" سعید نے کھٹ سے کہا "اتنا ہی نہیں بلکہ بیگ اور پارسل میں سے ایک چیز خود بھی اڑانے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔"

"خوب خوب۔" سب انسپکٹر صاحب نے اظہار پسندیدگی کے طور پر سر ہلا دیا۔ "آپ لوگوں کی راست گوئی کا جواب نہیں۔ مگر آپس میں الجھنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ یہ تو بہرحال ثابت ہو گیا کہ آپ لوگوں کا ارادہ چوری کا تھا۔"

"جی ہاں۔ جھوٹ بولنے سے کیا فائدہ۔ یہ بات تو ہے۔" انجم نے جواب دیا۔

"مگر ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔" سب انسپکٹر صاحب دل ہی دل میں بہت خوش تھے کیونکہ کیس تو مکمل طور پر ثابت ہو رہا ہے۔

"وہ کیا؟ ہمیں بتائیے ہم جواب دینے کی کوشش کرتے ہیں۔" سعید نے بڑی آمادگی سے کہا۔

"جہاں تک تنویر صاحبہ کے بیگ کا تعلق ہے۔" سب انسپکٹر صاحب سوچتے ہوئے بولے۔ "یہ بات عقل میں آتی ہے کہ آپ لوگوں نے سوچا ہوگا کہ اس میں کوئی بڑی رقم وغیرہ رکھی ہے۔ ایسا ہونا ممکن بھی تھا۔ مگر کتابوں کے پارسل سے آپ کی کیا دلچسپی تھی؟"

"انسپکٹر صاحب مسلمان ہیں تو یقین کیجئے گا۔ ہمیں تو بڑی دلچسپی صرف کتابوں سے ہی تھی۔" انجم نے بڑے خلوص سے جواب دیا۔

"کیا مطلب۔" سب انسپکٹر نے آنکھیں پھاڑیں۔ "یعنی آپ کتابیں چرانا چاہتے تھے؟"

"جی ہاں۔ وہ بھی صرف دو۔" سعید نے بتایا۔ "تنویر صاحبہ نے دکان سے جو کتابیں خریدی تھیں ہمیں ان سے کوئی سروکار نہیں تھا۔"

تنویر جو چور کے چونک جانے پھر اس کے بعد ہونے والے ہنگامے اور پولیس تھانے وغیرہ کے خیال سے سراسیمہ ہو گئی تھی اب بڑی حد تک سنبھل چکی تھی اور اس صورت حال سے لطف

اندرونی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں دبی ہوئی شرارت،
چمک اور ہونٹوں پر ہلکا تبسم بھی نظر آ رہا تھا۔
"حیرت ہے۔" سب انسپکٹر صاحب نے غور سے انجم کی طرف دیکھا
دیکھا۔ "کتابوں کی چوری۔ غالباً اس کے بعد آپ یہ دعویٰ کریں گے
کہ یہ سوٹ وغیرہ آپ نے یونہی نہیں پہن لئے بلکہ آپ لوگ اعلیٰ
تعلیم یافتہ بھی ہیں۔"
"صاف پتہ چلتا ہے انسپکٹر صاحب حقیقت تو یہی ہے قریب
... ورنہ تو ہم آپ کا کیا بگاڑ لیں گے۔" سعید نے جواب دیا۔
"کہاں تک تعلیم ہے آپ کی؟" بڑے طنزیہ انداز میں سب انسپکٹر
نے پوچھا۔
"جی یہ میرے دوست سعید صاحب تو بی۔ اے ہیں۔" انجم نے جواب دیا
"اور عنقریب بی بی پاس ہونے والے ہیں۔ میں ایم کام کی تیاری کر رہا ہوں"
جی۔ سب انسپکٹر کی حیرت دیکھنے کے قابل تھی۔
"اتنا ہی نہیں انسپکٹر صاحب انہیں آج شام بی بی پاس کی سند
بھی مل چکی ہے۔" سعید نے جلدی سے بتایا۔
"سعید بھائی۔" انجم نے گھور کر دیکھا۔
"ہوں۔ تم میری بول ہو تو کچھ نہیں اور میں سچی بات بتا دوں تو
سعید بھائی!" سعید نے منہ بسورا۔
"آپ لوگ کرتے کیا ہیں؟" سب انسپکٹر کو بالکل یقین نہیں آ رہا تھا۔

"یہ مت پوچھئے تو بہتر ہے۔" انجم نے سر جھکا کر جواب دیا۔
"انسپکٹر صاحب یہ حضرت نہیں بتاتے تو مجھ سے پوچھئے میں بتاتا
ہوں۔" سعید نے جلدی سے کہا۔ "آخر انہوں نے کیا سمجھ کر مجھ پر آنکھیں
نکالی تھیں۔ میں ان کی ایک ایک بات کھول کھول کر بیان کروں گا۔"
"چلئے آپ ہی بتا دیجئے کہ یہ کیا کرتے ہیں۔" سب انسپکٹر مسکرایا۔
"سعید بھائی۔" انجم نے پھر گھورا۔
"دیکھ لیجئے انسپکٹر صاحب اب یہ آپ کے سامنے دوبارہ دھمکی
دے رہے ہیں۔" سعید نے شکایت کی۔
"مسٹر آپ پولیس کی تحقیقات میں رکاوٹ مت ڈالئے ورنہ
میں دوسرا چارج بھی لگا دوں گا۔" سب انسپکٹر صاحب نے ایک ڈانٹ
پلائی اور سعید کی طرف دیکھ کر بولے۔ "آپ بلا خوف و خطر بیان دیں
کوئی آپ کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ بتائیے یہ حضرت کیا کرتے ہیں۔"
"انسپکٹر صاحب خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ..." سعید نے
انجم کی طرف دیکھا۔
"ہاں۔ ہاں۔" سب انسپکٹر نے گویا ہمت بندھائی۔ "کہ یہ کیا کرتے ہیں۔"
"کہ یہ سینئر کسٹم انسپکٹر ہیں۔ اور سرحد پر آتے جاتے لوگوں کی تلاشی
لے کر اسمگلروں کو پکڑا کرتے ہیں۔" سعید نے جلدی جلدی کہا اور فقرہ
پورا کر کے اس طرح ایک گہری سانس لی جیسے کوئی بڑا بھاری بوجھ
سر سے اتار کر پھینک دیا ہے۔

"کیا۔" سب انسپکٹر کرسی سے اچھل پڑے۔

"اور ذرا ان صاحب سے بھی پوچھیے کہ یہ خود کیا ہیں۔" انجم نے گویا مذمت کرتے ہوئے کہا۔ "کیا یہ خود کسٹم میں انسپکٹر نہیں ہیں؟ کیا یہ میرے ساتھ ہی بارڈر پر مسافروں کا سامان چیک نہیں کرتے ذرا پوچھیے ان سے میں جھوٹ کہہ رہا ہوں۔"

سب انسپکٹر ہی نہیں دو دو سپاہی کانسٹبل اور معزز گواہ بھی حیرت سے آنکھیں پھاڑے ان عجیب و غریب چوروں کو دیکھ رہے تھے۔ تو میر کو بجائے حیرت کے ہنسی ضبط کرنے میں دشواری پیش آ رہی تھی۔

"کیا ثبوت ہے آپ کے پاس کہ آپ دونوں کسٹم انسپکٹر ہیں۔" سب انسپکٹر نے آخر کچھ حیرت پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔ "میں بغیر کسی دستاویزی ثبوت کے آپ کے بیانات تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔"

"یہ کوئی بات ہوئی نا سب انسپکٹر صاحب۔" انجم نے داد دی اور سعید کی طرف دیکھ کر مزید گفتگو کا سلسلہ۔ "ہاں جناب تو اب ثابت کیجیے کہ میں کسٹم انسپکٹر ہوں۔ پیش کیجیے کوئی دستاویزی ثبوت۔"

"جیسے آپ ثابت کر دیں گے۔" سعید نے کچھ جھنجھلائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ اور سر کھجاتے ہوئے بولا۔ "ثبوت کا معاملہ تو بہت ٹیڑھا ہے انسپکٹر صاحب۔ آپ ان کی تلاشی لیجیے۔ شاید جیبوں میں کوئی کاغذ یا ملاقاتی کارڈ وغیرہ نکل آئے۔"

سب انسپکٹر نے انجم کی طرف دیکھا۔

"اگر آپ میری تلاشی لینے کا ارادہ کر رہے ہیں تو میں مطالبہ کروں گا کہ سعید صاحب کی تلاشی بھی لی جائے۔" انجم نے کہا۔

"آپ دونوں اپنی اپنی تلاشی دے دیں۔" سب انسپکٹر نے حکم دیا۔ "بلکہ بہتر ہو گا۔ خود ہی جیبوں سے چیزیں نکال کر میز پر رکھ دیں۔"

"پولیس سٹیشن میں بیٹھا ہوں اس سے ظاہر ہے کہ آپ کا حکم ماننے پر مجبور ہوں۔" انجم نے اپنی جیبوں میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔ "مگر میں اس غیر قانونی کارروائی کے خلاف احتجاج ضرور کروں گا۔"

"تو آپ ہمیں قانون سکھانا چاہتے ہیں۔" سب انسپکٹر نے غصے سے "جیسے چلے چیزیں نکالیے جلدی۔ ورنہ ہیڈ کانسٹبل کی حراست میں ساری قانون دانی نکل جائے گی۔"

انجم نے جیب سے چیزیں نکال کر سب انسپکٹر صاحب کے سامنے رکھنی شروع کیں۔ ایک قلم، ایک رومال، سگریٹ کیس معہ سگریٹ، پرس جس میں کچھ کم سو روپے تھے۔ بس کے دو مستعمل شدہ ٹکٹ۔ ایک جیب میں دو تین ثابت چھوہارے اور تقریباً آدھی جلغوزوں کے چھلکے دوسری جیب میں کوئی دو روپیہ کی ریزگاری۔ انجم نے سب چیزیں سب انسپکٹر کے سامنے ڈھیر کر کے فاتحانہ نظروں سے سعید کی طرف دیکھا۔

"جناب میں کوئی بے وقوف ہوں کہ کاغذ جیب میں رکھ کر نکلتا۔ نہیں۔" وہ بڑبڑایا اور سب انسپکٹر سے مخاطب ہوا۔ "کیجیے آپ کا اطمینان ہوا یا ابھی کچھ اور دکھاؤں۔"

"آپ بھی جیبیں خالی کیجئے۔" سب انسپکٹر انجم کی بات ختم ہوتے ہی سعید کی طرف متوجہ ہوا۔

"ارے انسپکٹر! اب آپ بھی کس کی باتوں میں آ رہے ہیں۔" سعید نے ٹالتے ہوئے انداز میں کہا۔ "میں ان حضرت کے نکاح میں شریک ہونے کے لئے گھر سے نکلا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ میری جیبوں میں کوئی ایسا ..."

"آپ جیبیں خالی کرتے ہیں یا نہیں۔" سب انسپکٹر نے تیزی سے کہا۔

"آپ لوگوں کو ثابت کرنا پڑے گا کہ آپ سی آئی ڈی انسپکٹر ہیں۔"

"ارے مشیر صاحب یہ گدھے کیا ثابت کریں گے۔ میں بتاتا ہوں کہ یہ کون ہیں۔" دروازے کی جانب سے ایک آواز آئی۔ سب انسپکٹر صاحب نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا اور یک دم گھبرا کر سیدھے کھڑے ہو گئے بلکہ سیلوٹ بھی کھینچ مارا۔ انجم اور سعید نے بھی پلٹ کر دیکھا اور دیکھتے ہی ان کے منہ بن گئے۔

"جی ہاں گدھے نہ ہوتے تو آپ جیسے بھائی صاحب کہہ کر مخاطب کیوں کیا کرتے۔" سعید نے جواب دیا۔

"تمیز سے بات کیجئے۔" سب انسپکٹر نے ڈانٹا۔ "آپ ہمارے محکمے کے ایس پی او سلطان احمد صاحب ہیں۔"

سلطان احمد مسکراتے ہوئے آگے بڑھے۔

"بے مروتی کی حد ہو گئی۔" انھوں نے انجم اور سعید کی پیٹھ پر ایک ایک ہاتھ جماتے ہوئے کہا۔ "اتنی مدت کے بعد ملے ہو کھڑے ہو کر

...بھی نہیں لگ سکتے۔"

"جی ہاں۔" انجم نے کھڑے ہو کر پیٹھ سہلاتے ہوئے جواب دیا۔
...ب صاحب جیبوں کی تلاشی لینے پر تلے تھے کروانے کی تیاری کر رہے
...ے دوسرے صاحب نے آتے ہی مار پیٹ شروع کر دی۔ دو...
...ں والوں سے کیا توقع ہو سکتی ہے۔"

سب انسپکٹر مشیر بڑی حیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ ...
...متعجب سی تھی۔

"اپنی حیرت دور کیجئے مشیر صاحب۔" سلطان احمد نے باری باری
...انجم اور سعید سے گلے ملتے ہوئے کہا۔ "یہ دونوں میرے بہت
...دوست اور بچپن کے ساتھی انجم اور سعید ہیں۔ اور دوا لگی کسٹم
...ہی انسپکٹر کے عہدے پر کام کرتے ہیں۔"

"غنیمت ہے کہ آپ تشریف لے آئے ورنہ آج تو عزت سادات
...تو نظر نہیں آتی تھی۔" سعید نے ہنستے ہوئے کہا۔

"یہ کیا۔" سلطان احمد نے شکایتی لہجہ میں کہا۔ "یہ آپ دونوں جناب
...ب سے شرمندہ ہو گیا۔"

"بھیا تھانے میں بیٹھ کر اور کیا کہہ سکتے ہیں۔" انجم نے مسکراتے
...سے جواب دیا۔ "حوالات میں بند کرنے کی دھمکی تو مل ہی چکی ہے۔"
...اس نے سب انسپکٹر مشیر کی طرف دیکھا۔

"معاف کیجئے گا انجم صاحب۔" مشیر نے جلدی سے صفائی پیش کی۔ "مجھے

مگر میں اس پر اصرار نہیں کروں گا۔" انجم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "جب یہ ملیں تو انھوں نے ہزار خوشامد کے باوجود ٹکٹ بیچ دینے یا دکھانے سے انکار کر دیا۔ مجبوراً ہم لوگ چوری کا پروگرام بنا رہے تھے کہ کسی خدا کے بندے نے اس نیک کام میں ہم پر سبقت حاصل کر لی اور ایک ہی جھپٹے میں بیگ اور ٹکٹ جن کا پارسل لے بھاگا۔ ہم اسے پکڑنے کے لیے پیچھے دوڑے اور اسی کام کا خود پکڑے گئے۔ اس درمیان میں چور سے ایک جلی سی منظر عجیب ہوئی تھی جس کے نتیجے میں وہ یہ پارسل چھوڑ بھاگا جو آپ کے سامنے میز پر رکھا ہے۔

"اگر آپ مجھے بیچتے تو یہ تب دیتے کہ آپ کتابوں میں اپنا انعامی بانڈ دیکھنا چاہتے ہیں تو۔۔۔" تنویر نے کہنا شروع کیا کہ سلطان احمد نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

"ایک منٹ تنویر صاحب۔" اس نے کہا اور انجم کی طرف غور سے دیکھنے لگا۔ "صاحبزادے میں یقین نہیں کر سکتا کہ تم صرف بیس روپے کے انعامی بانڈ کے لیے اتنی دوڑ دھوپ کر رہے تھے۔ ضرور کوئی اور بات بھی تھی۔"

"اگر آپ کا مطلب ہے کہ میں نے وہ تنویر صاحب کے ہاتھ نے کا تھیلا دراصل بولا تھا تو بیس۔۔۔"

"یہ نجم اسے دو جو تمہیں جانتا نہ ہو۔" سلطان احمد نے ایک مرتبہ پھر بات کاٹ دی۔ "جو وجہ تم مجھے سمجھانا چاہتے ہو وہ بھی ممکن

کیا معلوم تھا کہ آپ ایس ایچ او صاحب کے دوست ہیں۔ اور آپ بھی مہیں بتا دیں۔"

"دراصل یہ قصہ یہ تھا۔" سلطان احمد نے سب انسپکٹر سعید کو کرسی پر بیٹھے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔

"قصہ یہ ہوا۔" انجم نے جواب دیا۔ "میری دوکان پر ایک بات نے رات بینک میں جا کر فروخت کر دیے۔ بدقسمتی سے ان میں ان کے تین دس دس روپے کے انعامی بانڈ رکھ دیے تھے۔ جیسے ہی مجھے اس کا پتہ چلا میں لائبریری پہنچا۔ وہاں معلوم ہوا کہ ابھی ابھی تنویر صاحب دونوں کتابیں لے گئے ہیں تب اور سعید ان کے پیچھے راستے میں ہو لیا۔ بیچ میں ایک علیحدہ داستان بہت لمبی مت میں مس لیا۔ بہرحال جب صدر میں یہ مشغل تنویر صاحب ہاتھ آئیں۔"

"میں ایک پولیس افسر کی موجودگی میں ایسے الفاظ استعمال پر احتجاج کرتی ہوں جن کے کچھ اور معنے بھی نکالے جا سکتے ہوں۔" تنویر نے تنک کر پہلی مرتبہ زبان کھولی۔

سلطان احمد نے غور سے تنویر کی طرف دیکھا پھر انجم کی طرف کچھ سوچا۔

"بالکل درست۔ اعتراض معقول ہے۔" انھوں نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "آئندہ اس بات کا خیال رکھا جائے۔ بیان جاری رہے۔"

"حالانکہ ہاتھ آنا اس موقع کے لیے محاورتاً بالکل درست تھا

[illegible] ہے مگر مجھے معلوم ہے کہ [illegible] کسی [illegible] کا [illegible] نہیں لیا اور اگر مجھے [illegible] نہیں [illegible]

دلچسپی [illegible]

"یہ پولیس [illegible] کے لیے میں مشکور ہوں۔" انجم نے سنجیدگی سے کہا۔

"ثابت [illegible] کا ثبوت؟" سلطان احمد نے غصیلی نظروں سے انجم کی طرف دیکھا۔ "میرے [illegible] سے نہیں [illegible]

[illegible] انجم نے ایک گہری سانس لی [illegible] ہزاروں [illegible] کا ثبوت مل جائے۔"

"[illegible]" سلطان احمد نے ایک [illegible] دیکھیں [illegible] یہ رکھا ہے یہ پارسل کھول کر دیکھئے [illegible]"

انجم نے پارسل [illegible] اس کی [illegible] ایک [illegible] کتاب [illegible] جلد [illegible] مگر اس پر لکھے ہوئے نمبر کو دیکھتے ہی انجم [illegible]

"کیا یہ وہی کتاب ہے؟" سلطان احمد نے بےچینی سے پوچھا۔

"ہاں یہ بھی ایک کتاب ہے۔" انجم نے جواب دیا۔

"جلدی [illegible] اس کے اندر [illegible] دیکھتے ہوں نہیں [illegible]

[illegible]" انجم نے [illegible] دیکھتے [illegible] نہیں [illegible]

[illegible] جس پر [illegible] ہے۔ وہ کتاب تنویر صاحب نے [illegible]

وہ [illegible] لگا ہے۔"

[illegible] جیسے [illegible]

[illegible]

"آپ [illegible]" آخر یہ کتاب کی جلد [illegible]

[illegible] اس [illegible] کتاب کے [illegible]

[illegible] اور یہ [illegible]

[illegible] ویسے میں آپ کی تسلی کے [illegible]

[illegible] کتاب [illegible]

[illegible] ایک [illegible]

[illegible]

"آپ [illegible] میں" [illegible]

[illegible]

"[illegible] بات ہے۔" سلطان احمد نے تنویر کی طرف

[illegible] دیکھی۔ اگر [illegible] ہوتی [illegible]

[illegible] جس [illegible] کے

[illegible] سے [illegible] کی۔"

[illegible] نہیں [illegible] تنویر نے جواب دیا۔

[illegible] لوگوں کی موجودگی [illegible] ہیں

رہی ہے۔" پیڈرو صاحب نے پوچھا۔

"وہ جی ہاں آپ تشریف لے جا سکتے ہیں۔" [illegible]
سے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ آپ کو اس وجہ سے زحمت دی گئی۔"

"کوئی بات نہیں۔" پیڈرو صاحب نے مسکراتے ہوئے [illegible]
کہ ہم یہیں تو [illegible] کی زحمت [illegible]
صاحب کے لیے شاید یہ پہلا تجربہ تھا۔

انسپکٹر نے ایک سپر نوجوان کی طرف دیکھا۔

"جیسے جناب دکان تک [illegible] آپ کا سامان [illegible]
وہاں چھوڑ آیا ہوں۔"

وہ دونوں باہر چلے گئے تو سلطان احمد تنویر کی طرف متوجہ [illegible]
"آپ کے بیگ میں کوئی قیمتی چیز نہیں تھی۔"

"جی نہیں۔"

"نقدی وغیرہ۔"

"میرا خیال ہے کہ تیس چالیس روپے سے زیادہ نہیں۔ [illegible]
باقاعدہ [illegible] گئی ہے یا نہیں۔" سلطان احمد نے
سب انسپکٹر بشیر کی طرف دیکھا۔

"جی نہیں۔ میں [illegible] سے سوال [illegible]
یہ ابتدائی کارروائی بھی نہیں کر سکا۔" بشیر نے جواب دیا۔ "آپ [illegible]
کی باتیں سنتے۔ مجھے تو قطعی شبہ ہونے لگا تھا کہ یہ بھی [illegible] ہیں۔"

ذرا بھی [illegible] سے واقف نہیں ہوں۔" سلطان احمد نے مسکراتے
ہوئے کہا۔ "یہ تو دو دن سے تشریف رکھتے ہیں کہ [illegible] اپنے والد محترم
[illegible] سے بھی [illegible] ہیں۔"

وہ تنویر کی طرف گھوما۔

"آپ بھی [illegible] لکھنؤ [illegible] اور لکھنؤ تشریف لے جا رہی ہیں۔ اگر چوہدری
صاحب کی [illegible] نہیں تو پھر آپ کو زحمت دی جا سکتی۔"

"مگر میں کوئی [illegible] لکھنؤ [illegible] نہیں چاہتی۔" تنویر نے جواب دیا۔

"جی ہاں۔ آپ یہ نہیں کہیں گی تو کیا کہیں گی۔" انسپکٹر بولا۔ "جبھی آپ
[illegible] مل جائے تو میں پوچھتا کہ یہ کیا حال ہے۔"

"تو میں نے آپ کو تو نہیں روکا۔ آپ ایک نہیں دس [illegible]
[illegible]" تنویر نے ہنستے ہوئے کہا۔ "تو پھر میں [illegible] صاحب مجھے
اجازت ہے۔ میں جا سکتی ہوں؟"

"جی ہاں ضرور۔ اگر آپ [illegible] لکھنؤ جانا چاہتی ہیں تو ظاہر
ہے ہم مجبور تو نہیں کر سکتے۔ آپ بڑی خوشی سے جا سکتی ہیں۔" سلطان احمد
نے بڑی [illegible] سے اٹھتے ہوئے جواب دیا۔

"[illegible] اگر اتفاق سے مل جائے۔" تنویر نے قدم بڑھاتے
ہوئے کہا۔ "اور مزید اتفاق سے اس کی تمام چیزیں مع نقدی کے محفوظ
[illegible] میری جانب سے [illegible] صاحب کو دیجئے [illegible]
[illegible] کے پیچھے لگ گئے اور اس کے ہاتھ سے [illegible]

میں تو یہ خیال بھی نہیں کر سکتی تھی [illegible] انہوں نے پریشان
تنویر یہ کہہ کر آفس سے باہر نکل گئی۔ کمرے کی [illegible]
کی حالت دیکھ کر [illegible] منٹ [illegible] تھے

"کیا جیسی اب تم بھی چلے گئے ہو کہیں سے مجھے بتاؤ۔"

"جی سے وغیرہ نہیں ہوئے۔"

"نہیں اس وقت نہیں۔"

یہ بھی نہیں کہ دیر تک بیٹھنا تھا جتنی دیر میں تنویر
یہاں سے دفتر میں داخل ہوئے۔ سلطان احمد نے ہنستے ہوئے کہا۔
میں نے اس کے سامنے کہہ دیا تو اس کے معنی یہ نہیں کہ تم واقعی ان
کا پیچھا نہیں کرتے۔"

"میں سب سمجھ رہا ہوں۔ سعید نے جواب دیا۔ آپ یک مشکل
لوگ ہی جاسوسی کے لیے نا موتی سے [illegible] رکھیئے [illegible] لوگوں
کو چھپ سے پہلے [illegible] کوئی اعتراض بھی نہیں ہے مگر آپ سے ڈرتا ہے۔"

"ڈر۔ سلطان احمد نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"جی ہاں [illegible] بات کا۔ سعید نے جواب دیا۔ پہلی بات تو یہ کہ
جاسوسی کر کہیں یہ نہ معلوم ہو کہ یہ [illegible] جو [illegible] تشکیل [illegible] انجم
[illegible] کافی دیر [illegible] رہا ہے۔ اور دوسری بات یہ کہ
پولیس والے اپنا احسان کبھی نہیں بھولتے۔ یہ خبر [illegible] بار [illegible] نے
جاسوسی کر کہیں کسی موقع پر [illegible] بار [illegible] پیچھے [illegible] اس سے بھی

زیادہ نہ خرچ کرنا پڑیں۔"

"یہ بات ہے۔ سلطان احمد نے دفعتاً بڑی سنجیدگی سے کہا

"کیا بات ہے" انجم نے پوچھا۔

"مجھے نہ معلوم کیوں یہ احساس ہو رہا ہے کہ تم لوگوں نے اب
بھی کوئی بات مجھ سے چھپا کر رکھی ہے۔"

"محال ہے۔ سعید نے حیرت سے [illegible] نے [illegible] تھی
آپ کو [illegible] خیال [illegible] دیا ہے۔

"گویا کوئی بات ہے جو تم نے مجھے نہیں بتائی ہے۔ سلطان احمد
نے اشتیاق سے پوچھا۔

"ہاں [illegible] ہے۔"

"کیا۔"

"یہ کہ اگر آپ نے ابھی تک شادی نہ کی ہو اور تنویر صاحبہ کو
دیکھ کر [illegible] ارادہ کر رہے ہوں تو خیال رکھیئے گا کہ یہ حقوق
انجم بھائی نے [illegible] محفوظ ہیں۔"

اور اس سے پہلے کہ سلطان احمد اس شرارت کا کوئی جواب دے
سکیں انجم اور سعید آفس سے باہر جا چکے تھے۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تقدیر نے محض مذاق کیا تھا۔ انجم نے قدرے
افسردگی سے کہا۔ جیسی [illegible] کا انعام حاصل کرنا قسمت میں نہیں تھا۔"

"اتنا مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" سعید نے جواب دیا۔ شاید

وہ یہاں سے بڑھنے لگا۔ یعنی چھت سے کوئی راہ سبیل پیدا کر دے۔

اب وہ کیا سبیل پیدا ہو سکتی ہے۔ کیا پتہ چور کون تھا کوئی نہیں تھا۔ سلطان صاحب اس کی تلاش سے مایوس ہیں تو اور کون اس کا پتہ چلا سکتا ہے۔

ایک صورت ہے جو ممکن ہو سکتی ہے۔

وہ کیا۔

بھاگنے سے پہلے میں نے چور کی صورت دیکھ لی تھی۔

تو پھر۔

اور میرا خیال ہے میں اسے پہچانتا ہوں۔ سعید نے جواب دیا۔ اس کا نام رابرٹ ہے اور وہ گولڈن کلب کا منیجر ہے۔

کیا۔ انجم چونک کر سعید کی طرف دیکھنے لگا۔ تمہیں یقین ہے۔

سو فیصدی نہیں تو نوے فیصدی ضرور ہے۔ سعید نے جواب دیا۔ ابھی گولڈن کلب چلتے ہیں۔ معلوم ہو جائے گا۔

پولیس اسٹیشن کے باہر انہیں بڑی آسانی سے ٹیکسی مل گئی جس نے چند منٹ میں انہیں گولڈن کلب کے گیٹ پر اتار دیا۔ گولڈن کلب شہر کا سب سے شاندار اور ساتھ ہی بدنام کلب تھا۔ بدنام ان معنوں میں کہ مغربی تہذیب کی کوئی لعنت ایسی نہ تھی جو یہاں بیٹھے بیٹھے میسر نہ آ جاتی ہو۔ جوا، شراب اور نیم عریاں رقص کے پروگرام یہاں عام تھے۔ اور اسی لئے یہاں بیٹھے ہوئے دولتمند

اپنی دولت پانی کی طرح لٹانے کے لئے یہاں کا رخ کیا کرتے تھے۔ وہیں جرائم پیشہ افراد بھی اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے خاصی تعداد میں گرد و پیش منڈلاتے رہتے تھے۔ اسمگلنگ وغیرہ کے سلسلے میں بھی کبھی کوئی پتہ کی بات کانوں میں پڑ جاتی تھی۔ اس لئے انجم اور سعید بھی گاہے گاہے یہاں آتے رہتے تھے۔

انجم اور سعید اندر پہنچے تو گولڈن کلب کا وسیع و عریض ہال حسب معمول تہذیب جدید کے متوالوں سے بھرا ہوا تھا۔ رقص وغیرہ کے پروگرام عموماً نو دس بجے شروع ہوا کرتے تھے اس لئے ہال کے ایک گوشے میں بنا ہوا شاندار اسٹیج اس وقت سنسان تھا۔ صرف کلب کا آرکسٹرا دھیمے سروں میں کوئی دھن بجا رہا تھا۔

سعید نے ایک نظر ہال میں چاروں طرف دیکھ کر کسی کو تلاش کرنے کی کوشش کی مگر اس ہجوم میں اس کا نظر آنا بہت مشکل تھا۔ دور سے سارے ہی سفید وردی پہنے ہوئے ویٹر ایک جیسے دکھائی دے رہے تھے۔ سعید انجم کو ساتھ لئے بار کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا جہاں کئی بارٹینڈر مختلف مشروبات پیش کرنے میں مصروف تھے۔ بارٹینڈر لطیف انہیں پہچانتا تھا اور لطیف ہی کے ذریعے انہیں کبھی کبھی اہم خبریں مل جاتی تھیں جس کا معاوضہ وہ بڑی فراخدلی سے دیا کرتے تھے۔

"آج کئی دن بعد تشریف لائے ہیں۔" لطیف انہیں دیکھ کر مسکرایا۔

"کوئی نئی تازہ خبر۔" انجم نے پوچھا۔

"فی الحال تو کوئی خاص خبر نہیں ہے۔" لطیف نے جواب دیا۔
"کچھ دیر ریل یا کیبن میں بیٹھنا پسند کریں گے۔"
"خدا کی قسم پہلے تو لفظ اس طرح سے استعمال کیا ہے۔" سعید نے
ہنسے کہ دوں خود بخود غلط نہیں ہو سکتی ہے۔ دو منزلہ تو ابھی شادی
بھی نہیں ہوئی ہے۔"
"ایک بات تو بتاؤ۔" انجم نے کاؤنٹر پر آگے کی جانب جھکتے ہوئے
پوچھا۔ "ویٹر رحمت آج ڈیوٹی پر آیا ہے یا نہیں۔"
"جی ہاں آیا تو ہے۔ کوئی خاص بات؟" لطیف نے چونکتے ہوئے پوچھا۔
"کس وقت آیا تھا؟" سعید نے پوچھا۔
"وہ ذرا لیٹ تھا۔ چھ بجے کے بجائے ساڑھے چھ بجے کے
بھی بعد آیا تھا۔"
"اس کی ڈیوٹی کس میز پر ہے؟"
"آج وہ کیبن نمبر آٹھ میں سروس کر رہا ہے۔" لطیف نے جواب دیا۔
"مگر آپ نے تو یہ نہیں بتایا بات کیا ہے؟"
"کوئی خاص بات نہیں ہمیں اس سے ایک بیگ کے سلسلے میں
بات کرنا ہے جو اسے کہیں سڑک پر پڑا ہوا ملا تھا۔"
"وہ شاید۔" تو پھر اس نے کہیں ہاتھ مارا ہے۔ لطیف چونک کر بولا۔
"کوئی پولیس وغیرہ کا معاملہ ہو انجم صاحب تو مجھے ضرور بتا دینا۔ آج میرے بھی
کئی دوست یہاں آئے ہوئے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ اچانک چھاپے میں دھر لیے

جائیں۔"
"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔" انجم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
"یہ ہمارا پرائیویٹ معاملہ ہے۔"
سعید انجم کا بازو پکڑ کے کیبنوں کی طرف چلا۔
"آپ کا ٹیبل شیٹ تیار کر لوں۔" لطیف نے آواز دے کر پوچھا۔
"ابھی نہیں۔" سعید نے پلٹ کر جواب دیا۔ "پہلے کہیں بیٹھنے کو
جگہ ملے تب بتائیں گے۔"
ابھی وہ دو چار قدم ہی چلے تھے کہ سامنے سے ایک صاحب جھومتے
جھامتے آتے ہوئے ملے۔ انجم اور سعید نے چاہا کہ ایک طرف ہو کر
ٹکرانے سے بچ جائیں مگر وہ جیسے ٹکرانے کا ارادہ ہی کر کے آئے تھے
چنانچہ ٹکرا گئے۔
"کیوں جناب۔" وہ سعید کی ناک کے سامنے انگلی نچاتے ہوئے بولے
"آج اتنی پی گئے ہو کہ سامنے کا آدمی نظر نہیں آتا۔"
"آپ آدمی ہیں۔ معاف کیجیے گا۔ میں سمجھا تھا کہ شراب کا کوئی مٹکا
جھومتا ہوا چلا آ رہا ہے۔" سعید نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
"واللہ۔ خوب تو ملا ہے ہاتھ۔ یہی غلطی ابھی ابھی مجھ سے تین مرتبہ ہو چکی ہے۔"
وہ بولے۔ "اور ہر مرتبہ بال بال بچا ہوں۔ کمبخت قریب سے ہو کر اتا ہوا
نکل گیا۔ ویسے آپ بتا سکتے ہیں کہ کیبن نمبر سات کہاں چلا گیا ہے۔ عجیب
تماشا ہے۔ کیبن میں فلاں لنگ رخنے کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا شیدان

کے لئے اٹھے تو کہیں باتھ روم نہیں مل رہا تھا۔ شاید ان تو آپ جانتے ہی ہوں گے کہ بڑا مشہور مصدر ہے۔ پھر بڑی مشکل سے اس کا پتہ چلا ورنہ اب باہر نکلا ہوں تو کیبن غائب ہے مجھے اور تو کچھ فکر نہیں بس یہ پریشانی ہے کہ کہیں ڈارلنگ رشید وہاں بیٹھے بیٹھے بور ہو رہی ہوں۔

سعید نے انجم کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ کرامت کیبن نمبر آٹھ میں ڈیوٹی دے رہا تھا۔ اس وقت رش کے موقع پر زیادہ امید یہی تھی کہ کیبن نمبر آٹھ بھی خالی نہیں ہوگا۔ اس کے خالی ہونے تک اگر نمبر سات میں کچھ وقت گزار لیا جائے تو یہ اس سے بہتر تھی کہ ادھر ادھر گھوم کر پریشان ہوں۔ انجم نے سعید کی نگاہ سے اس کا مطلب سمجھ لیا اور شرارت میں سر ہلانے لگا۔

"آیئے ہم آپ کو کیبن نمبر سات میں پہنچا دیں۔" سعید نے ان صاحب کا بازو پکڑ کر آگے چلتے ہوئے کہا۔ "مگر ابھی تک آپ نے اپنا تعارف تو کرایا نہیں۔"

"ارے آپ مجھے نہیں جانتے۔ میں، میں ہوں یعنی کہ میں۔۔۔ سمجھ رہے ہیں نا آپ۔۔۔ میں ہوں میں۔"

"مگر اس میں میں کا نام بھی ہے کچھ یا نہیں۔"

"نام۔" انھوں نے ہچکی لیتے ہوئے دہرایا۔ "نام ہے کیوں نہیں۔ میں میں کا نام بکری ہوتا ہے۔"

"تو آپ بکری ہیں۔"

"نہیں بکری تو کیبن نمبر سات میں جگالی کر رہی ہوگی میں تو بکرا ہوں۔"

"مگر بکرے کے سر پر تو سینگ ہوتے ہیں۔" سعید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ارے تو میرے سر پر نہیں ہیں۔" انھوں نے گھبرا کر اپنے سر پر ہاتھ پھیرا۔ "اس کا مطلب تو یہ ہوا کہیں گر گئے ہوں گے مگر نہیں۔ مجھے خوب اچھی طرح یاد ہے میں نے خود دیکھے تھے۔ کہیں باتھ روم میں تو نہیں بھول آیا۔"

وہ چلتے چلتے رک گیا۔

"اب دیکھیے مفت میں بتا رہا ہوں کہ بزرگوں کے حکم پر کبھی عمل نہیں کرنا چاہیے۔ ڈیڈی ہمیشہ یہ ہی کہتے ہیں کہ سینگ اتار کر باتھ روم جایا کرو۔ نتیجہ یہ کہ بھول آیا۔ خیر اب دوبارہ آئیے تو چیک کر لے گئیں۔ ورنہ کوئی اور پہن کر چل دے گا۔"

"میرا خیال ہے جب آپ نے کلب میں داخل ہوتے وقت اپنا بیٹ وہاں لڑکی کے پاس رکھوایا ہوگا تو سینگ بھی بیٹ کے ساتھ ہی چلے گئے ہوں گے۔" سعید نے سمجھانے کی کوشش کی۔

"ہو سکتا ہے۔" انھوں نے تائید میں سر ہلا دیا۔

کیبن نمبر سات میں داخل ہونے سے پہلے سعید نے ایک لمحے کے لئے کیبن نمبر آٹھ میں دیکھنے کی کوشش کی۔ مگر پردہ پوری طرح کھنچا ہوا تھا۔ بغیر جھانکے دیکھنا ممکن نہیں تھا لیکن یہ ظاہر تھا کہ اندر کوئی نہ کوئی ضرور بیٹھا ہے۔ باتیں کرنے کی بہت ہی ہلکی سی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"یہ لیجئے یہ ہے آپ کا نمبر سات۔" سعید نے برابر کے کیبن کی طرف اشارہ کیا۔ "اب آپ جا سکتے ہیں یا ہم اندر تک چھوڑ دیں۔"

آپ ساتھ چلیں تو بہتر ہے ورنہ اس طرح دو دن تک وہیں
وہیں کئی مرتبہ آچکا ہوں۔" جب پردہ اٹھا کر جھانکا تو سوری کہہ کر چھوڑ
دینا پڑا۔ کوئی صاحب مستقل یہیں کھونے سے چپکے بیٹھے رہے تھے۔"

سعید نے پردہ ہٹایا تو ایک لمحہ کے لئے حیران رہ گیا۔ اس کے
سامنے وہ لڑکی بیٹھی ہوئی تھی جس کی خاطر یہ چکر وہ لوگ لگا رہے تھے۔

وہ لڑکی بھی انہیں پہچان گئی

"ارے آپ لوگ۔" وہ تعجب سے بولی۔

"جی ہاں ہم لوگ۔" انجم نے ایک گہری سانس لی۔

"وہ دراصل تھی۔"

"جی نہیں۔" سعید نے نفی میں سر ہلایا "بھائی صاحب کی بیگم کا انتقال
ہو گیا۔ اب یہ سب شاید بڑا بھاری غم غلط کرنے آتے ہیں۔"

"اوہ۔ مجھے بڑا افسوس ہوا سن کر۔"

"بھائی صاحب کو بھی بہت افسوس ہے۔ بیوی کے انتقال سے
زیادہ دوا نہ ملنے کا غم انہیں کھائے جا رہا ہے۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔"

"یہ کہتے ہیں بیوی کا کیا ہے۔ وہ تو اور بھی مل جائے گی مگر دوا
نہیں ملی تو میری اپنی زندگی خطرے میں ہے۔" سعید نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"دراصل انہیں بھی وہی بیماری ہے جس میں ان کی بیوی محترمہ
نے انتقال فرمایا ہے۔"

"اوہ۔" لڑکی نے کہا پھر ساتھی کی طرف دیکھ کر بولی "یہ محمود صاحب
آپ کو کہاں مل گئے۔"

"ہم تو کچھ آرہے تھے کہ ان سے ملاقات ہو گئی۔" سعید نے جواب دیا۔
"یہ کیبن نمبر سات کی تلاش میں پریشان تھے۔"

"بالکل غلط۔" محمود صاحب نے میز پر گھونسہ مارتے ہوئے کہا۔ "میرا مسئلہ
اتنا آسان نہیں ہے۔ وہ تو مجھے آپ حضرات کو بھٹکتے دیکھ کر رحم آگیا۔ میں
نے کہا چلو اب انہیں مل ہی جائے۔ یہ بھی کیا یاد کریں گے۔ دراصل رضیہ
سامنے بیٹھی ہیں پوچھ لیجئے۔ یہ بھی برسوں سے میری تلاش میں ہیں
مگر میں ایسا لڑکا ہوں آج تک ان کے ہاتھ نہیں آیا۔"

"سچ ہے آپ نے۔" رضیہ کچھ اداس ہو گئی۔ "اچھا اب فرمائیے کیا پئیں گے
یہاں یا نہیں۔"

محمود صاحب چونکے "خدا جانے ہمارے دشمن۔ یہاں پھر وہ جن
کا کسی طلب میں ٹھکانا نہ ہو۔"

انھوں نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی پر ہاتھ مارا۔ جواب میں فوراً
ہی ایک ویٹر نمودار ہوا۔

"ویٹر۔" محمود صاحب نے آرڈر دیا۔ "ایک ایک پیگ ہمارے
دوستوں کیلئے اور صرف ایک بوتل ہمارے لئے ہم زیادہ نہیں پیتے مگر ذرا جلدی۔"

ویٹر سر ہلاتا ہوا واپس چلا گیا۔

"آپ بہت پی چکے ہیں محمود صاحب اب بس کیجئے۔" رضیہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"بہت۔" محمود صاحب نے ایک ہچکی لیتے ہوئے بڑی حیرت سے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ آج میں صرف آرڈر ہی دیتا رہا ہوں۔"

"محمود صاحب آپ کے شوہر ہیں؟" نجم نے رضیہ سے پوچھا۔

"جی ہاں۔ مگر خدا کے لئے کوئی ہمدردی ظاہر نہ کیجئے گا۔" رضیہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ محمود کا بازو پکڑا۔ "آئیے چلیں۔"

"کہاں؟" محمود صاحب نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"کسی دوسرے کلب میں۔"

"بالکل ٹھیک۔ یہاں کے ویٹر بڑے بدتمیز ہیں۔ آرڈر لکھ لیتا ہے اور پینے کو خود بیٹھ جاتے ہیں۔ پلٹ کر ہی نہیں آتے۔"

وہ دونوں کیبن سے باہر نکل گئے۔ انجم نے سعید کی طرف دیکھا۔

"خاصی لڑکی معلوم ہوتی ہے۔" انجم نے کیبن کے جاتے ہوئے رضیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "پتہ نہیں اللہ میاں ایسی بے جوڑ شادیاں کیوں کراتے رہتے ہیں۔"

"کیا خیال ہے یہ پردہ ایک طرف ہٹا دوں۔" سعید کرسی سے اٹھتے ہوئے بولا۔ "ایسا نہ ہو کہ ہم یہاں بیٹھے رہ جائیں اور کیبن نمبر ۸ خالی ہو کر پھر بھر جائے۔"

مگر اپنے کیبن کا پردہ ایک طرف کرتے ہوئے سعید نے باہر جھانک کر دیکھا تو چونک سا گیا۔ کیبن نمبر آٹھ کا پردہ کھلا ہوا تھا اور اس کا ویٹر کرامت اور گاہک دونوں غائب تھے۔ ▶

"کہیں چڑیا اڑ تو نہیں گئی؟" نجم نے کیبن نمبر آٹھ میں کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ایسا ہونا تو نہیں چاہئے۔" سعید نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔ "ممکن ہے گاہک رخصت ہو گیا ہو اور کرامت کاؤنٹر پر حساب کتاب کر رہا ہو۔"

وہ دونوں کیبن نمبر آٹھ خالی دیکھتے ہی اٹھ کر وہاں آ بیٹھے تھے مگر ویٹر کرامت کے لئے انہیں پورے دس منٹ انتظار کرنا پڑے۔

"فرمایئے کیا پیش کروں؟" کرامت نے ٹیبل پر کپڑا پھیرتے ہوئے پوچھا۔

"آج ہم یہاں کچھ کھانے پینے نہیں آئے۔" سعید نے جواب دیا۔ کرامت نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"کچھ سننے کے لئے آئے ہیں۔" انجم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا۔" کرامت بڑے غور سے دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تمہاری باتیں۔" سعید نے جواب دیا۔ اور جیب سے دس روپے کا نوٹ نکال کر میز پر رکھتے ہوئے بولا۔ "مفت نہیں معاوضہ دے کر۔"

"کیسی باتیں؟" کرامت نے نوٹ اٹھانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔

"بیٹھ جاؤ۔" نجم نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ کرامت بیٹھ گیا۔

"تم نے آج صدر میں کسی خاتون کا پرس اور ایک بنڈل اڑایا تھا۔"

کرامت نے ایک گہری سانس لی۔

"گھبراؤ نہیں۔" سعید نے ہمدردی سے کہا۔ "ہمارا تعلق پولیس سے نہیں ہے۔"

"میں گھبرا نہیں رہا ہوں۔" کرامت نے جواب دیا۔ "افسوس کر رہا ہوں۔ ہاتھ پیروں میں پہلی جیسی پھرتی نہیں رہی۔ اگر اتنے لوگ مجھے دیکھ کر پہچان سکتے ہیں تو اس کا صرف ایک ہی مطلب ہے۔ مجھے آئندہ کے لئے کان پکڑ لینا چاہئیں۔"

"کسی اور نے بھی دیکھا تھا؟" انجم نے حیرت سے پوچھا۔

"دیکھنے والے تو کئی ہوں گے۔ یوں کہیے کہ کسی اور نے بھی پہچان لیا تھا۔"

"کس نے؟"

"دکان کے مالک شمشاد علی صاحب نے۔"

"کیا۔" انجم اور سعدیہ ایک وقت بول اٹھے۔

"جی ہاں۔ وہ ابھی ابھی یہاں سے گئے ہیں۔" کرامت نے بتایا۔ "وہ لڑکی بڑی حسین تھی۔ شمشاد صاحب اس کے جانے کے بعد بھی دکان کی کھڑکی سے اسے گھور رہے تھے۔ کم سے کم ان کا کہنا تو یہی تھا جب انھوں نے مجھے گلی سے نکلتے دیکھ لیا۔ میں بہت دیر سے اس کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ جب وہ آپ لوگوں سے رخصت ہو کر دکان میں داخل ہوئی تو میں دکان کے برابر گلی میں کھڑا ہوا اس کے نکلنے کا انتظار کرنے لگا۔"

"شمشاد صاحب تمہارے پاس کیوں آئے تھے؟" انجم نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔

"لڑکی کا بیگ لینے کے لئے۔" کرامت نے جواب دیا۔ "کہہ رہے تھے کہ میں وہ بیگ واپس کرنے کے بہانے لڑکی سے ملاقات کا موقع نکالنا چاہتا ہوں۔ بیگ میں تیس روپے تھے۔ مجھے اس کی رقم پر دل نکال [illegible] چکا تھا اور افسوس کر رہا تھا۔ کبھی کبھی [illegible] اندازہ لگانے میں سخت غلطی ہو جاتی ہے۔ میرا خیال تھا کہ زیادہ موٹی رقم تو ہاتھ لگ ہی جائے گی۔ مگر وہ اوپر والا بڑا کارساز ہے۔ کچھ نقصان تو پورا ہو ہی گیا۔ میں نے وہ بیگ بیس روپے میں شمشاد صاحب کو دے دیا ہے۔"

"پھر تو غضب ہو گیا۔" سعید اٹھتے ہوئے بولا۔

"کیوں۔ کیا آپ بھی اس بیگ کے بہانے لڑکی سے ملنا چاہتے تھے؟"

"کچھ ایسی ہی بات تھی۔" انجم نے جواب دیا۔ "تمہیں معلوم ہے شمشاد صاحب کہاں رہتے ہیں؟"

"جی نہیں۔ میری ان سے پہلے کی واقفیت نہیں تھی مگر وہ شاید یہاں کلب میں دیکھ چکے تھے۔ اپنا تعارف انھوں نے خود ہی کرایا تھا۔"

"تم ابھی شمشاد صاحب کو بیگ دینے ہی گئے تھے؟" سعید نے پوچھا۔

"جی ہاں کلب آتے ہوئے میں نے اسے باہر باغ میں ایک درخت کے پیچھے چھپا دیا تھا۔"

"بیگ لے کر پیدل گئے ہیں یا ٹیکسی میں؟" انجم نے سوال کیا۔

میرے سامنے تو پیدل ہی جا رہے تھے۔ آگے جا کر ٹیکسی لے لی ہو تو میں کہہ نہیں سکتا۔"

"آؤ اب یہاں وقت ضائع کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔" انجم نے سعید کا ہاتھ پکڑ کر قدم اٹھاتے ہوئے کہا۔

"بس اتنی ہی باتیں کرنا تھیں۔" فرحت نے پوچھا۔

"ہاں۔ آج کے لئے اتنی ہی کافی ہیں۔" سعید نے پلٹ کر جواب دیا۔ "آپ کہیں ہوٹل میں کسی اور حسین لڑکی کا بیگ لے آئیں۔"

"بہت ہی حرافہ تھی۔" انجم بولا۔ "مگر کل جس طرح تبادلہ کیا وہ دیکھ لی۔"

"کم سے کم تین سال کی قید اور ایک ہزار روپیہ جرمانہ۔" انجم نے جواب دیا اور باہر نکل گیا۔

دونوں تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے کلب سے باہر آئے۔ صاف ظاہر تھا کہ تمام راستے پولیس اسٹیشن میں ان کی گفتگو سن لی تھی اور اس سے فائدہ اٹھانے میں قطعی دیر نہیں کی۔

"اب اسے کہاں تلاش کیا جائے۔" انجم نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ "وہ ہم سے کم سے کم پندرہ منٹ پہلے یہاں سے نکل چکا ہے۔"

"کیا بجا ہے؟" سعید نے پوچھا۔

"بارہ بجکر ایک دو منٹ اوپر ہوئے ہیں۔" انجم نے جواب دیا۔ "اس وقت قاعدے میں تو اسے گھر ہی جانا چاہیے۔ اگر کسی طرح

گھر کا پتہ چل جائے تو اب بھی بانڈ مل سکتا ہے۔"

"سوال تو یہی ہے کہ گھر کا پتہ کیسے چلے۔"

"ایک ترکیب اور بھی ہو سکتی ہے۔" سعید نے سوچتے ہوئے کہا۔

"وہ کیا۔"

"ظاہر ہے کہ وہ انعام لینے کے لئے اسٹیٹ بینک جائے گا۔ ہم بینک کے دروازے ہی پر اسے پکڑ لیں۔"

"مگر بانڈ پر اپنی ملکیت کیسے ثابت کریں گے۔" انجم نے جواب دیا۔ "اس کے علاوہ تمہیں پتہ ہے کہ کچھ لوگ ابھی تک انکم ٹیکس سے بچانے کے لئے انعام پانے والوں سے بانڈ کچھ زیادہ کی قیمت پر خرید لیتے ہیں۔ ممکن ہے وہ بینک جانے کے بجائے منہ مانگے مول لے کر کسی کے ہاتھ اسے فروخت بھی کر سکتا ہے اور مزید منافع کما سکتا ہے۔"

"تو پھر اب کیا کیا جائے۔"

"ہم بزرگوں پر فاتحہ پڑھ کر اپنے اپنے گھروں کو واپس ہونے کے علاوہ اور کیا کر سکتے ہیں۔" انجم نے افسردگی سے کہا اور ایک گذرتی ہوئی ٹیکسی کو اشارہ کیا۔

"حسرت کالونی۔" اس نے دروازہ کھول کر پچھلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے ڈرائیور سے کہا۔

"یہ کون سی کالونی ہے صاحب۔" ڈرائیور نے میٹر ڈاؤن کرتے ہوئے کہا۔

"تمہیں نہیں معلوم۔"

"جی نہیں۔"

"شاید زندگی میں کسی حسرت ناکام سے واسطہ نہیں پڑا۔" انجم نے کہا۔

"اچھا تو پھر مغلگین آباد لے چلو۔"

"معلوم ہوتا ہے صاحب آپ کلب میں کچھ زیادہ ہی ہار گئے ہیں۔" ڈرائیور بڑا سخن فہم ثابت ہوا۔

"ہاں دوست بیس ہزار ایک ہی داؤں میں نکل گئے۔" سعید نے ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے جواب دیا۔

"بیس ہزار۔" ڈرائیور نے جلدی سے گھوم کر دیکھا۔

"ہم دگنے جیتے بھی ہیں۔" انجم نے یقین دلایا۔

"پھر بیس ہزار کیسے ہار گئے آپ۔" ڈرائیور نے ٹیکسی آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ہم بھی اتنی دیر سے یہی سوچ رہے ہیں۔" سعید نے جواب دیا۔ "بس سڑک پر سیدھے چلے چلو۔ ممکن ہے ٹھنڈی ہوا کھا کے کوئی بات سمجھ میں آجائے۔"

"تم سعید اتر کر بس سے چلے جاؤ گے یا گھر تک پہنچانا پڑے گا۔" انجم سعید سے مخاطب ہوا۔

"تین گھنٹے سے تمہارے لئے ادھر ادھر دھکے کھاتا پھر رہا ہوں۔ اب مزید بس کے دھکے کھانے کی ہمت نہیں ہے۔" سعید نے جواب دیا۔

"تو پھر کہاں چلوں صاحب۔" ڈرائیور نے پوچھا۔

"پہلے محسن آباد اور پھر وہاں سے۔۔۔" سعید کہتے کہتے رک گیا۔

سڑک پر اچھا خاصا ہجوم نظر آ رہا تھا۔ ایک جانب ایک نئی شیورلیٹ کار بھی کھڑی تھی۔

"یہ کار تو رشید کی معلوم ہوتی ہے۔" انجم نے کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے حیرت سے کہا۔ "ڈرائیور ذرا روکنا۔"

"ایکسیڈنٹ ہوا ہے صاحب۔" ڈرائیور نے ٹیکسی سائڈ میں روکتے ہوئے بتایا۔ "میرے سامنے کی بات ہے۔ میں صدر سے ایک سواری لئے آ رہا تھا۔ کلب کی طرف سے ایک سیدھا سادا آدمی ہاتھ میں بیگ لئے جا رہا تھا۔ اچانک یہ شیورلیٹ کار لہراتی ہوئی آئی اور اس آدمی کو ٹکر مارتی ہوئی نکل گئی۔ لوگ کہہ رہے تھے کہ ڈرائیور شراب کے نشے میں کار چلا رہا تھا۔ اس غریب کی ایک ٹانگ بری طرح کار کے نیچے آکر کچل گئی۔"

"بس۔" سعید نے جوش میں بھرتے ہوئے کہا۔ "تقدیر ایک بار پھر مہربان نظر آ رہی ہے۔ اگر میں بالکل ہی گدھا نہیں ہوں تو ان بگڑے صاحب نے شمشاد کے سینگ مار دیا ہے۔"

انجم اور سعید ٹیکسی سے اتر کر لپکتے ہوئے مجمع کے قریب پہنچے۔ ڈرائیور کا بیان بالکل صحیح تھا۔ ایک کانسٹیبل نے جو کار کی نگرانی کے لئے چھوڑ دیا گیا تھا ایکسیڈنٹ کی تصدیق کی اور بتایا کہ ابھی دس منٹ ہوئے ایمبولنس زخمی کو لے کر سول ہسپتال گئی ہے۔ سوائے ایک ٹانگ کے اور

باقی جسم پر کچھ زیادہ چوٹیں نہیں آئیں۔ مگر چونکہ وہ بے ہوش ہو گیا تھا اس لئے نام و پتہ کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔

"اس کے ہاتھ میں کوئی بیگ بھی تھا۔" انجم نے بے تابی سے پوچھا۔

"جی ہاں تھا تو سہی۔" کانسٹبل نے جواب دیا۔ "وہ اس کے ساتھ ہی ہسپتال بھیج دیا گیا ہے۔ کیا وہ آپ کا کوئی عزیز ہے۔"

"ہاں۔ کم سے کم اس کا بیگ تو بہت ہی عزیز ہے۔" انجم نے ہی ٹیکسی کی طرف لپکتے ہوئے جواب دیا۔

دونوں جلدی سے ٹیکسی میں بیٹھے۔

"سول ہسپتال۔" انجم نے ڈرائیور سے ہدایت کی۔ "اور ذرا جلدی۔ بس اتنا خیال رکھنا کہ ہم صحیح و سالم وہاں پہنچ جائیں۔ باقی تمہیں پورا حق حاصل ہے۔" سعید نے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔

"ابھی کچھ دیر پہلے کوئی ایکسیڈنٹ کا کیس آیا ہے۔" انجم نے ڈیوٹی نرس سے پوچھا۔

"ہاں آیا تو ہے۔" نرس نے جواب دیا۔ "آپ ان کے کون ہیں۔"

"بھتیجے۔" سعید نے کھٹ سے جواب دیا۔ "چچا جان کو کس وارڈ میں رکھا گیا ہے۔"

"ایسے کیسوں کے لئے وارڈ تو ایک ہی ہے۔ یہ پوچھئے کہ بیڈ نمبر کیا ہے۔"

نرس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں۔ جی ہاں وہ ہی میرا مطلب تھا۔"

"کیژولٹی وارڈ بیڈ نمبر تیرہ۔" نرس نے ایک چارٹ دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"شکریہ۔" انجم نے جواب دیا اور سعید کا بازو پکڑ کر آگے بڑھ گیا۔

"ارے یہ تو پوچھا ہوتا کہ یہ کیژولٹی وارڈ ہے کس طرف۔" سعید نے کہا۔ "کیا تمہیں معلوم ہے۔"

"کیوں تم نہیں جانتے کیا۔" انجم نے پوچھا۔

"بالکل نہیں۔ آج پہلی مرتبہ ہسپتال آنے کا اتفاق ہوا ہے۔"

"اچھا۔" انجم نے بڑی حیرت ظاہر کی۔ "میرا خیال تھا کہ اب تک عشق بازی کے چکر میں کئی مرتبہ پٹ چکے ہو گے۔ ہسپتال کا بچہ بچہ تمہیں جانتا ہوگا اور تم یہاں کا گوشہ گوشہ جانتے ہو گے۔"

"پہلی بات تو یہ کہ ہسپتال کے سب بچہ بچہ کا محاورہ بالکل غلط ہے۔ اس کے بجائے نرس نرس کہنا زیادہ موزوں ہو گا۔"

"اوہ۔ تو وہ نرس تمہیں دیکھ کر اسی لئے مسکرائی تھی۔" انجم نے بات کاٹی۔

"اور دوسری بات یہ کہ۔" سعید نے اسی طرح بولتے ہوئے کہا۔ "میں آپ کی طرح محبت میں مار کھانے کے بعد ڈھنڈورا پیٹنے ہسپتال نہیں بھاگا کرتا۔"

"مگر پھر بھی علاج کرا لیتے ہو۔" انجم نے کہا۔ "یا پھر اتنی سنگدل محبوبہ سے

وسط پڑا ہے جو مارنے کے بعد گھر بھی نہیں پہنچی۔

"شکر ہے خدا کا" سعید نے چپکے چپکے دونوں ہاتھ دعا کے انداز میں اٹھا دیئے۔ بانڈ سٹیک کی امید کا اتنا ترقی کر کے دوبارہ چھپکے لیے۔

سامنے سے دو نرسیں باتیں کرتی چلی آ رہی تھیں۔

"سسٹر!" انجم نے ان میں سے ایک کو مخاطب کیا۔ "یہ کیا پولیس وارڈ کس طرف ہے۔"

"آپ کو وہاں کیا کام ہے۔" نرس نے حیرت سے پوچھا۔ "ہمیں ڈاکٹر سے پہلے ایک مریض سے ملنا ہے۔" سعید نے بتایا۔

"مگر یہ تو ملاقات کا ٹائم نہیں ہے۔" نرس نے اپنی گھڑی دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "دس بجے کے بعد آپ کسی پیشنٹ سے نہیں مل سکتے۔"

"مگر وہ میرے سگے چچا جان ہیں۔ ان کا ابھی ابھی تو ایکسیڈنٹ ہوا ہے" انجم نے کہا۔

"کچھ بھی ہو۔ آپ کل صبح آئیں۔" نرس نے سرد مہری سے جواب دیا اور آگے بڑھ گئی۔

"یہ تو نئی پریشانی پیدا ہوئی۔ یعنی اب ہم اپنے چچا جان سے بھی نہیں مل سکتے۔" سعید نرسوں کے جانے کے بعد بولا۔

"کوئی نئی ترکیب سوچنا پڑے گی۔" انجم نے کوریڈور میں ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔ کچھ فاصلے پر ڈاکٹر ممتاز کی نیم پلیٹ نظر آئی۔ وہ اس طرف بڑھ گیا۔ سعید اس کے پیچھے تھا۔

"کیا ڈاکٹر ممتاز سے کچھ واقفیت ہے؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں تو۔" انجم پھر کچھ سوچنے میں مصروف تھا۔

"پھر ان کے پاس جانے سے فائدہ؟"

"چند منٹ کے لیے اپنی بکواس بند کرو۔ میں کچھ سوچ رہا ہوں۔"

"خوب۔ گویا کہ آپ سوچ بھی لیتے ہیں۔"

"آ گئی۔" انجم اچانک بولا۔

"کوئی دوسری نرس۔" سعید نے چونک کر کوریڈور میں دیکھا۔

"نہیں ایک ترکیب بشرطیکہ ڈاکٹر صاحب اپنے کمرے میں موجود نہ ہوں۔" انجم نے آگے قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔

بیرونی حصہ واقعی خالی تھا۔ مگر لکڑی کے پارٹیشن کے دوسری جانب جب انجم نے جھانک کر دیکھا تو ڈاکٹر ممتاز معائنہ کے اسٹریچر پر بڑے آرام سے دراز خراٹے لے رہے تھے۔

"چلو یہ بھی اچھا ہوا۔" انجم نے آہستہ سے کہا۔

"آخر تم کرنا کیا چاہتے ہو۔" سعید نے پوچھا۔

"وہ دیکھ رہے ہو کیا چیز ہے۔"

"ڈاکٹر صاحب کا کوٹ ہے اور کیا ہے۔"

"اور یہ میز پر۔"

"اسٹیتھسکوپ۔ مریض کی محبت کی دھڑکنیں شمار کرنے کا آلہ۔"

"اگر میں یہ سفید کوٹ پہن لوں اور یہ آلہ گلے میں لٹکا لوں تو کیا ہوگا۔"

دفعتاً رحل آ نکلا۔ سعید اچھل پڑا۔

"شش" انجم نے جلدی سے پارٹیشن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا،
"کیا حماقت کر رہے ہو۔"

"ساری" سعید کان پکڑتے ہوئے بولا۔ "مگر کوٹ تو ایک ہی ہے"
"اس الماری میں دیکھو یقیناً کوئی دوسرا بھی ضرور نکل آئے گا"
انجم نے جواب دیا۔

الماری کھول کر دیکھی گئی اور توقع کے عین مطابق تھی کہ دوسرا کوٹ
بھی حفاظت سے ٹنگا ہوا مل گیا۔

"اور آلہ" سعید نے کوٹ پہنتے ہوئے کہا "آلہ تو ایک ہے۔"
"دو ڈاکٹروں میں ایک آلہ نہیں چل سکتا؟" انجم نے کوٹ کے
بٹن لگاتے ہوئے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔ ویسے مجھے اس وقت صرف ٹوپی کی فکر ہے۔"
"میرا خیال تھا کہ تم اب تک ماہر ہو چکے ہوگے" انجم نے سٹیتھسکوپ
گلے میں ڈالتے ہوئے جواب دیا۔

دونوں آگے پیچھے کمرے سے باہر نکلے۔ کوریڈور بالکل سنسان
پڑا ہوا تھا۔

"اب یہ کوٹ پہن کر کیزولٹی وارڈ کا پتہ کیسے پوچھیں گے" سعید نے کہا۔
"تم چپ رہو۔ کوئی نہ کوئی صورت نکل ہی آئے گی" انجم نے جواب دیا
اور داہنی طرف گھوم گیا۔

تقریباً پانچ منٹ تک ایک کوریڈور سے دوسرے کوریڈور
میں گھومتے رہنے کے بعد بھی کہیں کیزولٹی وارڈ کا بورڈ نظر نہیں آیا۔
ایک کمرے کے سامنے سے گزر رہے تھے کہ اچانک کمرے کے اندر
سے کسی مریض کے بڑبڑانے کی آواز آئی۔ ساتھ ہی ایک نرس گھبرائی ہوئی سی
باہر نکلی۔

"اوہ۔ ڈاکٹر۔" اس نے آواز دی۔

"یس۔" انجم نے رک کر بڑے اطمینان سے پوچھا۔

"پلیز ڈاکٹر ذرا اس پیشنٹ کو دیکھ لیں۔" نرس نے گھبرائی ہوئی
آواز میں کہا۔ "کبھی کہتا ہے کہ میں چوہا ہوں اور بلی مجھے کھا گئی ہے کبھی
کہتا ہے میں گھوڑا ہوں مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ تھوڑی سی گھاس
کھانے کے لئے لاؤ۔ طرح طرح کے اوٹ پٹانگ سوالات کا جواب
دیتے دیتے میں تنگ آ گئی ہوں۔"

"تم نے اسے کوئی خواب آور دوا کیوں نہیں دے دی۔"

"میں نے کوشش کی تھی ڈاکٹر۔" نرس نے بڑی بیچارگی سے بتایا۔
"مگر وہ کہتا ہے کہ پہلے چار گولی تم کھاؤ۔ تب دو گولی میں کھاؤں گا۔"

"اوہ۔ آئی سی۔" انجم نے بڑی سنجیدگی سے سر ہلاتے ہوئے
جواب دیا۔ "چلو میں دیکھتا ہوں۔"

نرس انہیں کمرے میں لے گئی۔ یہ ذہنی امراض کے مریضوں
کا وارڈ تھا۔ جہاں ایسے مریض رکھے جاتے تھے جن کا پاگل پن خطرناک

نہیں ہوتا تھا۔ انجم نے دیکھا۔ پلنگ پر ایک خمیدہ عمر رسیدہ بزرگ
مرغ بنے کھڑے ہیں اور بانگ پر بانگ دیئے چلے جا رہے ہیں۔

"السلام علیکم۔" اس نے جاتے ہی کہا۔

"ککڑوں کوں۔" جواب ملا

"ککڑوں کوں۔ ککڑوں کوں۔" انجم نے جوابی بانگ لگائی۔ اس پر
مریض نے اسی کیفیت میں کھڑے کھڑے ذرا سی گردن ٹیڑھی کر کے
انجم کی جانب دیکھا اور دیکھتے ہی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"نرس۔" وہ بولا۔ "یہ تم کس ٹیڑھی مرغے کو پکڑ لائی ہو جسے بانگ
دینا بھی نہیں آتا۔"

"تو مرغ تو آپ معلوم ہوتے ہیں جناب جو سورج نکلنے کے
بعد بھی برابر بانگ دیئے جا رہے ہیں۔"

"ارے تو کیا سورج نکل آیا؟"

"جی ہاں۔ یہ آپ کے سر پر اونچا چمک رہا ہے۔" انجم نے بجلی
کے بلب کی طرف اشارہ کیا۔

"گڈ لارڈ۔ تم نے مجھے بتایا بھی نہیں نرس۔" وہ کچھ سوچنے لگے
"مگر میں تو مرغ ہوں بانگ دینے کے علاوہ اور کیا کر سکتا ہوں۔"

"کیوں نہیں کر سکتے۔" انجم نے جیسے ضد کرتے ہوئے کہا "کیا کسی
مرغی نے آپ کو انڈے سہنا نہیں سکھایا۔"

"سکھایا تھا۔ مگر میں بھول گیا۔"

"میں سکھا دوں؟"

"آپ کو آتا ہے؟" بہت خوش ہو کر مریض نے پوچھا۔

"انڈے سینے میں سند یافتہ ہوں جناب۔ آکسفورڈ یونیورسٹی
سے پی ایچ ڈی کیا ہے۔"

"اچھا پھر تو ضرور سکھایئے۔"

انجم نے نرس کو اشارہ کیا کہ وہ خواب آور دوا کی گولیاں لے آئے۔

"یہ پی ایچ ڈی کیسے کیا جاتا ہے۔" مریض نے سوچتے ہوئے پوچھا۔

"جیسا علم ہو اسی کے مطابق پی ایچ ڈی کرنے کا بھی طریقہ ہوتا ہے"
انجم نے جواب دیا۔ "مثال کے طور پر آپ جھوٹ بولنے میں پی ایچ ڈی
کرنا چاہتے ہیں۔"

"کیوں صاحب سچ بولنے میں کیوں نہیں۔" مریض نے بات کاٹی۔

"آپ چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ مگر آج کل اس ڈگری کو کوئی نہیں پوچھتا۔"

"کیوں نہیں پوچھتا۔"

"اس لئے کہ کوئی میری یا آپ کی طرح اصل مرغ نہیں ہے سب
دو رخے ہیں۔"

"سمجھا۔" مریض نے گردن ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ اتنی دیر میں
نرس دو گولیاں اور گلاس میں پانی لے آئی۔

"یہ دیکھئے۔" انجم نے ایک گولی ہاتھ پر رکھی۔ "مثال کے طور پر
یہ انڈا ہے۔"

"مرغی کا انڈا اتنا چھوٹا تو نہیں ہوتا۔" مریض نے اعتراض کیا۔

"یہ مرغی کا انڈا نہیں ہے۔" انجم نے بتایا۔ "آج کل کی مرغیوں نے فیملی پلاننگ شروع کر دی ہے۔ یہ ہاتھی کا انڈا ہے۔"

"عجیب سی تو اتنا چھوٹا ہے۔"

"آپ دیکھیے یہ میں نے اپنے منہ میں رکھا۔ یوں۔" انجم نے گولی اپنی چٹکی میں پکڑ کر منہ میں رکھنے کا بہانا کیا اور پھر ایک گھونٹ پانی سے نگل گیا۔ "اسے۔ اس طرح۔" اس نے نرس سے گلاس لے کر پانی پی لیا۔

"انڈے اس طرح نگلے جاتے ہیں۔" مریض نے حیرت سے کہا۔ "میں نے تو سنا تھا کہ ان پر بیٹھنا پڑتا ہے۔"

"وہ پرانا طریقہ تھا جو اب متروک قرار دیا جا چکا ہے۔" انجم نے جواب دیا اور گولی مریض کی طرف بڑھا دی۔ "لیجیے اب آپ کوشش کریں۔"

"ایک بات پوچھوں۔" مریض نے گولی لیتے ہوئے کہا۔

"ضرور پوچھیے۔"

"آپ مجھے دھوکہ تو نہیں دے رہے ہیں۔" مریض نے کہا۔ "مجھے شبہ سا ہو رہا ہے کہ یہ کہیں خواب آور دوا کی گولیاں نہ ہوں۔"

"دھوکہ اور تم کو۔" انجم نے جواب دیا۔ "بھلا ایک مرغ دوسرے مرغ کو دھوکا دے سکتا ہے۔"

"یہ بات تو ہے۔" مریض نے تائید میں سر ہلایا۔ "بہرحال ایک تجربہ

سوچ لیں کہیں ایسا نہ ہو کہ انسانوں کی طرح مرغوں پر سے بھی دنیا کا اعتماد اٹھ جائے۔"

مریض نے گولی منہ میں رکھی اور پانی کے گھونٹ سے نگل گیا۔

"ایک انڈا کافی ہو گا۔" اس نے پوچھا۔

"قاعدے کے مطابق کم سے کم دو انڈوں سے شروع کرتے ہیں۔" انجم نے جواب دیا۔

مریض نے دوسری گولی بھی نگل لی اور آرام سے بستر پر لیٹ گیا۔

"شکریہ ڈاکٹر۔" نرس نے آہستہ سے کہا۔ انجم اور سعید باہر کی طرف چلے۔

"مسٹر مرغ۔" مریض نے پکارا۔ "بچے کب تک نکل آئیں گے۔"

"بس دس پندرہ منٹ میں۔" انجم نے جھٹ کر جواب دیا۔ "پہلی کوشش میں کامیابی نہ ہو تو گھبرائیے نہیں روزانہ دو انڈے سیتے رہیں ایک نہ ایک دن کامیابی ضرور قدم چومے گی۔"

"قدم نہیں مسٹر چونچ۔" مریض نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔ "تم بھول گئے کہ ہم دونوں مرغ ہیں ککڑوں کوں۔"

انجم مسکراتا ہوا باہر نکل آیا۔ نرس اسے دروازے سے چھوڑ کر واپس جانے لگی۔

"نرس۔" انجم نے کہا۔

"یس ڈاکٹر۔"

"یہ صاحب ایک میڈیکل کالج کے سٹوڈنٹ ہیں۔" اس نے سعید

کی طرف اشارہ کیا۔ "کیزولٹی وارڈ کے مریض دیکھنے جا رہا ہوں۔ میں راؤنڈ پر جا رہا ہوں۔ فوراً انہیں وارڈ کا راستہ بتا دو۔"

"او۔ شیور۔" نرس نے غور سے سعید کی طرف دیکھا۔ "دیکھیے سی کوریڈور میں آگے جا کر بائیں ہاتھ کی طرف گھوم جائیں۔ اس کے بعد بالکل سیدھے چلے جائیں۔ دو تین راستے درمیان میں ملیں گے آپ انہیں چھوڑ دیں۔ بالکل آخر میں جا کر پھر بائیں ہاتھ کو مڑ جائیں بس وہی کیزولٹی وارڈ ہے۔"

"شکریہ سسٹر" سعید نے مسکراتے ہوئے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ انجم دوسری طرف چلنے لگا مگر جیسے ہی نرس کمرے میں گئی وہ بھی لپک کر سعید کے پاس پہنچ چکا تھا۔

"کہو کیسی رہی استاد؟" اس نے پوچھا۔

"ونڈرفل۔ آج واقعی تمہارا دماغ خوب چل رہا ہے۔" سعید ہنستے ہوئے بولا۔

نرس کے بتائے ہوئے پتہ کے مطابق کیزولٹی وارڈ جلدی ہی مل گیا۔ وارڈ میں کئی کمرے تھے اور ہر کمرے کے باہر بستروں کے نمبر بھی لکھے تھے۔ نمبر سے اٹھ نمبر تک کے بیڈ اسی کمرے میں تھے۔ نمبر دیکھ کر انجم ایک کمرے میں گھس گیا۔

اندر سات پلنگ بچھے ہوئے تھے۔ بیڈ [illegible] بالکل دروازے کے ساتھ ہی تھا مگر اس پر لیٹے ہوئے مریض کو دیکھتے ہی دونوں چونک پڑے۔ یہ داڑھی والے بوڑھا ڈیڑھ پسلی کے نحیف و نزار ملک شمشاد علی تو نہیں ہو سکتے تھے۔

"یا شیخ الٹی گنگا۔ مولانا حاضر اور مسٹر غائب۔" سعید نے حیرت سے کہا۔

"یہ کیا قصہ ہے؟" انجم بڑبڑایا۔

"قصہ نہیں جانی طلسم ہوشربا ہے"

"کہیں کوئی غلطی تو نہیں ہو گئی"

"بالکل ہو گئی۔" سعید نے جواب دیا۔ "آئندہ کے لئے کان پکڑو کہ بس بغیر نمبر ملائے وارڈ سے کبھی کسی بیڈ میں نہیں گھسو گے۔ اور میں تو بتاتا ہوں کہ یہ مشین مس ہاسپٹل رہی ہے۔ اور چپکا چپ کر رکھو ورنہ دوستوں سے پٹو گے بادشاہ"

"اب کیا کیا جائے؟" انجم نے جیسے سعید کی بات سنی ہی نہیں۔

"بندۂ عاجز سوائے صبر و شکر کے اور کیا کر سکتا ہے۔"

"یہ تو طے ہے کہ شمشاد علی یہیں نہیں کسی پلنگ پر ہو گا۔"

"تلاش کرو۔" سعید بولا۔ "کوئی بیڈ خالی مل جائے تو ہم بھی رات یہیں گزاریں۔ صبح دیکھا جائے گا۔"

"یس ڈاکٹر" پیچھے سے ایک آواز آئی۔

انجم نے گھوم کر دیکھا۔ ایک نرس کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔ انجم اور سعید کو دیکھ کر اس کے چہرے پر حیرت کے تاثرات ظاہر ہوئے۔

"میں ڈاکٹر انجم ہوں۔" انجم نے جلدی سے کہا۔ "میرا تعلق مینٹل وارڈ

ہے ہے۔ یہ میرے دوست ہیں۔ اور سعید میرے ساتھ کام کرتے ہیں۔"

"اوہ" نرس نے کچھ اطمینان ظاہر کیا۔

"ان کے ایک رشتہ دار پچھلے ہفتے کار کے حادثے میں زخمی ہو گئے تھے۔" انجم نے اپنی بات جاری رکھی۔ "ڈیوٹی نرس سے معلوم ہوا کہ ایمرجنسی کا ایک کیس بیڈ نمبر تیرہ پر لایا گیا ہے۔ مگر یہ ان کے عزیز نہیں ہیں۔"

"پیشنٹ کا نام کیا ہے۔" نرس نے پوچھا۔

"شمشاد علی۔" سعید نے جواب دیا۔

"اوہ یس۔ وہ بیڈ نمبر ستائیس پر ہیں۔" نرس نے بتایا۔

"آئیے تشریف لائیے۔"

"مگر نرس" انجم نے نرس کے ساتھ باہر نکلتے ہوئے پوچھا۔ "ڈیوٹی نرس نے ہمیں غلط اطلاع کیوں دی؟"

"اس نے غلط نہیں کہا تھا ڈاکٹر۔" نرس نے جواب دیا۔ "گذشتہ دو گھنٹے کے اندر ایکسیڈنٹ کے تین کیس آ چکے ہیں۔ آپ نے اسے پیشنٹ کا نام بتایا تھا؟"

"نام تو نہیں بتایا تھا۔" سعید بولا۔ "چچا میاں کہا تھا۔ شمشاد صاحب میرے چھوٹے چچا ہیں۔"

نرس ہنسنے لگی۔

"چچا میاں سے تو وہ بیڈ نمبر تیرہ کے مریض کو سمجھی ہوگی۔" نرس نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

اب وہ جنرل کمرے میں داخل ہوئے۔ جس میں صرف پانچ بیڈ تھے۔ ان میں سے تین خالی تھے۔ بیڈ نمبر ستائیس پر شمشاد دبکا ہوا پڑا تھا۔ اس کی صرف ایک ٹانگ پر بینڈیج کی گئی تھی۔ اس کے علاوہ دوسری جگہ پر پٹی کے ساتھ رسی بندھی تھی۔ وہ اس وقت ہوش میں تھا۔ انجم اور سعید کو دیکھ کر اس کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔

"یہ ہی ہیں؟" نرس نے پوچھا۔

"بالکل یہی ہیں۔" سعید نے جواب دیا۔ "شکریہ سسٹر۔"

"میری ضرورت تو نہیں ہوگی۔" نرس نے پوچھا۔

"نہیں شکریہ نرس۔ تم جا سکتی ہو۔" انجم نے جواب دیا۔ نرس چلی گئی۔

انجم اور سعید بیڈ کے پاس ہی کرسی پر بیٹھ گئے۔

"تم نے دیکھ لیا مسٹر کہ بے ایمانی کا نتیجہ اس دنیا میں بھی مل جاتا ہے اور وہ بھی کتنی جلدی۔" انجم نے کہا۔

"م... میں معافی چاہتا ہوں انجم صاحب۔" شمشاد نے خوف سے کانپتے ہوئے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔

"وہ بیگ کہاں ہے؟" سعید نے پوچھا۔

جواب میں کانپتے ہوئے ہاتھوں سے شمشاد نے اپنے تکیہ کے نیچے سے بیگ نکال کر انجم کے ہاتھوں میں دے دیا۔

انجم نے جلدی سے اسے کھولا۔

"کتاب اسی کے اندر ہی ہے۔" شمشاد بولا۔

اور بانڈ؟"

"وہ بھی اسی میں ہوگا۔ مجھے دیکھنے کا موقع ہی نہیں ملا۔" شمشاد نے جواب دیا۔ "میرا ارادہ گھر جا کر بیگ کھولنے کا تھا۔"

"یہاں آکر بھی نہیں کھولا؟"

"نہیں۔ میں خود اپنے دل میں اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ یہ حادثہ میرے گناہ کی سزا میں ہوا ہے۔ آپ نہ بھی آتے تب بھی بیگ آپ کو واپس کر دیتا۔ مجھے معاف کر دیں انجم صاحب اور خدا سے دعا کریں کہ اس گناہ کی پاداش میں مجھے زندگی بھر شرمندہ ہو کر نہ جینا پڑے۔ میری تو ہمت ختم ہو گئی۔"

"معافی خلوص دل سے مانگی جائے تو خدا ضرور معاف کر دے گا۔ میں بھی تمہیں معاف کرتا ہوں۔" انجم نے سنجیدگی سے کہا۔

"تو تم نے کرامت کو بیگ چراتے دیکھ لیا تھا؟" سعید نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"پھر تم نے ہمارے خلاف بیان کیوں دیا؟ اس وقت تو تمہیں پرس اور بانڈ کا حال نہیں معلوم تھا۔"

"آپ کو کرامت سے معلوم ہو ہی گیا ہوگا کہ بیگ میں لے گیا ہوں۔" شمشاد نے جواب دینے کے بجائے سوال کر دیا۔

"ہاں۔"

"تو آپ بھی سمجھ رہے تھے۔" شمشاد نے گہری سانس لی۔ "پھر تو اس نے آپ کو یہ بھی بتا دیا ہوگا کہ میں نے بیگ واپس لیتے وقت اس سے

کیا کہا تھا۔"

"ہاں مجھے معلوم ہے۔" سعید نے بتایا۔ "مگر تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"اصل وجہ وہی تھی جو میں نے کرامت کو بتائی تھی۔" شمشاد نے منہ دوسری طرف پھیرتے ہوئے کہا۔ "اگر میں بتا دیتا کہ میں چور کو دیکھ چکا ہوں تو بیگ مجھے نہیں مل سکتا تھا اور میں... میں..."

"اور تم سچ مچ توبہ کر لینا چاہتے تھے۔" سعید نے مسکراتے ہوئے انجم کی طرف دیکھا۔ "اور بیگ کے بہانے تجدید ملاقات کے خواہشمند تھے۔"

"جی ہاں۔" شمشاد نے بدستور دوسری طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

پھر انجم اور سعید کمرے سے باہر نکل آئے۔ انجم بے تحاشا خوش ہو رہا تھا۔ اس نے بیگ کو اس طرح سینے سے لگایا ہوا تھا جیسے اس کی زندگی میں اس سے زیادہ محبوب کوئی دوسری چیز نہ رہی ہو۔

"قانون محمود صاحب کو شراب پی کر ناچنے کے جرم میں خواہ کتنی کڑی سزا دے یا وہ اپنی دولت کے بل پر محض جرمانہ ادا کر کے چھوٹ جائیں۔" سعید نے ہنستے ہوئے کہا۔ "مگر یہ حقیقت ہے کہ اگر وہ شراب پی کر اتنا نہ بہکتے کہ شمشاد کو گرا بیٹھیں تو تم یہ بیگ کبھی حاصل نہیں کر سکتے تھے۔"

"سچ کہتے ہو۔" انجم نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "کبھی کبھی برائی میں بھی اچھائی کا پہلو نکل آتا ہے۔"

ڈاکٹر ممتاز مسعود نرسنگ پر لیکچر دے رہے تھے۔ انجم نے سامنے
والا کاغذ سامنے رکھا اور نوٹ لکھوتے تھے پڑھتا رہا۔ سعید کو سب
پتہ تھا۔ پڑھتے ہوئے بار بار نقل۔ سعید بار بار اس کا نقل کر رہا تھا۔
دونوں بڑے اطمینان سے چلتے ہوئے ہسپتال سے باہر آ گئے۔ رات کے دو
بجنے والے ہو رہے تھے۔

"میرے خیال سے اب گھر کو جاؤ گے میرے ساتھ تو نہیں چلو گے" انجم
نے پوچھا۔ "خیر تم بھی تو ایک گھنٹہ تک رہ چکے ہو۔"

"گھر والے پریشان ہوں گے" سعید نے جواب دیا "بھائی صاحب
تو سمجھ رہے ہوں گے کہ میں نرگس کے ساتھ فرار ہو گیا۔"

"کیوں۔ کیا بتا کر نہیں آئے تھے کہ یہاں جا رہے ہو" انجم نے ہنستے
ہوئے پوچھا۔

"بتا کر تو آیا تھا مگر ان کے نزدیک بہانہ بھی تو ہو سکتا ہے۔"

"تو پھر کیا ہوا تم سچ مچ ہی نرگس کے ساتھ تو نہیں بھاگ رہے ہو۔"

"میں یہی سوچ رہا تھا" سعید نے بظاہر بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔
"کہ یہ ظالم سماج دو محبت بھرے دلوں کو یوں تو کبھی ملنے نہیں دے گا۔
آج موقع ہے۔ کیونکہ بزرگوں کے اندیشے پورے کر دیے جائیں۔"

"گدھے ہیں آپ۔" انجم نے ایک چپت لگائی۔ "جب منگنی ہو چکی

ہے تو پھر کس بات کا خطرہ ہے۔"

"منگنی ہونے سے کچھ نہیں ہوتا بھائی۔ تم نے فلموں میں نہیں دیکھا
کہ کمبخت ولن شادی کے وقت بھی کوئی ڈرامہ رچا کر بنی بنائی بات
بگاڑ دیتا ہے۔"

"گھبراؤ نہیں تمہاری بات نہیں بگڑے گی۔"

"اس لیے کہ تمہاری بن چکی ہے۔"

"ابھی کہاں بن چکی ہے۔ بس سمجھو پھانسی کا پھندا بن کر گلے میں
اٹک گئی ہے۔"

"خدا کرے کہ یہ پھانسی کا پھندا ابھی ویسا ہی ثابت ہو جیسا
تمہارے خسر صاحب نے اپنے گلے میں ڈالا تھا" سعید نے جواب دیا۔

"تو پھر یہ طے ہو گیا کہ تم میرے ساتھ چل رہے ہو" انجم نے
بات بدل دی۔

"تم نہیں مانتے تو یونہی سہی۔ مگر ایک شرط پر۔"

"وہ کیا؟"

"جیسے ہی رزلٹ آئے انجمی بانو کی بازیابی کی خوشی میں کم سے کم پانچ
روپیہ کی گلاب جامنیں کھلاؤ گے۔"

"کیا ابھی؟"

"اور کب؟"

"اس وقت کوئی دکان کھلی ہو گی؟"

"کیوں نہیں ملے گی۔ مسز رضی مٹھائی کی دکانیں رات کے ایک بجے تک کھلی رہتی ہیں۔" سعید نے جواب دیا۔ "یہاں سے ٹیکسی پکڑتے ہیں۔ صدر ہوتے ہوئے کلفٹن سے گھر چلیں گے۔ تب تک بھابی تمہارے انتظار میں یقیناً جاگ رہی ہوں گی۔ ان سے گرم گرم چائے بنوائیں گے اور۔"

"اور تمہیں اسی گرم گرم چائے سے غسل دے کر دفنا دیا جائے گا" انجم نے بات کاٹی۔ "تاکہ تم اسی طرح نرگس سے شادی کی حسرت لئے دنیا سے رخصت ہو جاؤ جس طرح میں تنویر سے شادی کی تمنا میں زندہ رہوں گا۔"

"محبت کا یہ یک طرفہ ٹریفک میری سمجھ میں نہیں آیا۔" سعید نے جواب دیا۔ "جہاں تک میرا خیال ہے تنویر تمہیں گھاس بھی نہیں ڈالے گی۔"

"آپ کا خیال ہی کیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہاں سے نرگس تک جب کہ عابد دولت کے بارے میں شاعر نے پہلے ہی کہہ دیا ہے کہ آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں۔ غالب صریرِ خامہ نوائے سروش ہے۔"

"اگر معاملہ تنویر کا ہے تو یقین رکھو دولت غیب سے جوتے ہی آئیں گے انشاء اللہ۔"

اسی وقت ایک خالی ٹیکسی سامنے سے گزری۔ سعید نے اسے اشارہ سے روک لیا۔

"تشریف رکھیے غالب صاحب۔" وہ پچھلی نشست کا دروازہ

کھولتے ہوئے بولا۔

"دیکھو یوں سچ منہ سے نکلتا ہے۔" انجم نے بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔ "خدا نے چاہا تو عابد دولت غائب ہی رہیں گے۔"

"ساتھ ساتھ اسد اللہ خاں بھی تو کہیے۔" سعید نے ہنس کر کہا۔ "فاتحہ پڑھنے کی گنجائش نکل آئے گی۔"

"یہ بات ہے۔" انجم نے تیوری چڑھائی۔ "تو پھر صدر کا پروگرام غائب۔ ڈرائیور گلشن کالونی چلو۔"

"خانہ کم فاتحہ پڑھنے کے لئے حلوائی کی دکان سے بہتر کوئی جگہ نہیں" سعید نے جواب دیا اور ڈرائیور کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔ "ڈرائیور صاحب آپ ان کی باتوں پر کان نہ دھریں۔ یہ بیچارے مرحوم ہو چکے ہیں۔ صدر ہوتے ہوئے گلشن کالونی چلیں۔"

ڈرائیور نے انجم کی طرف دیکھا اور اسے خاموش پا کر ٹیکسی صدر کی طرف موڑ دی۔

"ذرا بیگ کھول کر دیکھو اس میں اور کیا کیا مال رکھا ہے" سعید نے کہا۔

"اور کیا مال ہو سکتا ہے۔"

"بھئی میرا مطلب ہے ممکن ہے کوئی نوٹ بک وغیرہ نکل آئے جس میں تنویر صاحبہ کا پتہ وغیرہ لکھا ہو۔"

"واللہ۔" انجم اچھل پڑا۔ "کیا دور کی کوڑی لائے ہو۔" اس نے

جلدی سے بیگ کی زپ کھولی۔

"ماننے ہو نا استاد!" سعید مسکرایا اور جھک کر بیگ میں دیکھنے کی کوشش کی۔

بیگ میں کتاب عذرا کی راسیتی کے علاوہ ایک رومال، ایک پوڈر کمپلیکٹ، ایک سینٹ کی شیشی، ایک اچھے قسم کا بال پوائنٹ پین اور ایک اخبار کے علاوہ میڈیم سائز نوٹ بک بھی رکھی ہوئی تھی۔

انجم نے نوٹ بک نکال لی۔

"کاش اس نوٹ بک میں پتہ نکل آئے۔" انجم نے اسے بے سوال کر ورق گردانی کرتے ہوئے کہا۔ مگر یہ دیکھ کر مایوسی ہوئی کہ وہ بالکل سادہ تھی۔ جیسے ابھی حال ہی میں خریدی گئی ہو۔

"یہ تو بالکل سادہ ہے۔" اس نے کہا۔

"ذرا غور سے دیکھو میرے بھائی۔" سعید نے کہا۔ انجم ورق لوٹتے لوٹتے ایک دم رک گیا۔

"یہ کیا۔" بے اختیار اس کے منہ سے نکل گیا۔ سعید نے دیکھا کہ کھلے ہوئے ورق پر نہایت اچھی تحریر میں خود انجم کا پتہ لکھا ہوا ہے۔

"یعنی کہ تمہارا پتہ۔" سعید نے حیرت سے کہا۔ "تنویر کے پاس کہاں سے آ گیا۔"

اچانک انجم نے ایک قہقہہ لگایا۔

"اب بتاؤ استاد!" اس نے سعید کی پیٹھ پر ہاتھ مار کر کہا "اب

بھی یہ تو کہو گے کہ تنویر مجھے گھاس بھی نہیں ڈالے گی۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب صاف ظاہر ہے۔" انجم نے بڑی مسرت سے کہا۔ "تنویر آج گلشن لائبریری گئی تھی۔ میرا پتہ اسے اخلاق صاحب سے ہی معلوم ہو سکتا تھا۔ اور اخلاق صاحب سے پتہ پوچھ کر نوٹ بک میں تحریر کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ اسے بہر حال مجھ سے کچھ نہ کچھ دلچسپی ضرور ہے سمجھے کچھ یا نہیں۔"

"جی ہاں خواہ اس نے پتہ پولیس میں رپورٹ کرنے کے لئے ہی کیوں نہ پوچھا ہو۔" سعید نے منہ بناتے ہوئے جواب دیا۔

"جل گئے۔" انجم نے ایک اور قہقہہ لگایا۔ "مابدولت کی شخصیت ہی اتنی رعب دار ہے کہ کوئی لڑکی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ وہ تو میں نے تمہارا خیال کر کے چھوڑ دیا۔ ورنہ کافی دیر تک نرگس بھی للچائی نظروں سے دیکھتی رہی تھی۔"

"اس نے مجھے بھی بتایا تھا۔" سعید نے سر ہلایا۔ "کہہ رہی تھی میرا بس نہیں چلتا کہ تمہارے دوست کو کچا کھا جاؤں۔ ہر لڑکی کا راستہ روک کر گھر کا پتہ پوچھنے لگتے ہیں۔ یہ بھی کوئی تہذیب ہے۔"

"اسی سے اندازہ کر لو کہ وہ مجھے کتنا چاہتی تھی۔ کسی دوسری لڑکی سے بات کرتے دیکھ بھی نہیں سکتی تھی۔" انجم نے نوٹ بک بند کر کے بیگ میں رکھتے ہوئے جواب دیا۔ "بہر حال تم کچھ بھی کہو

اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تنویر یقیناً مجھ سے محبت کرتی ہے۔"

"ابھی دلچسپی کی بات کر رہے تھے اتنی دیر میں محبت بھی ہو گئی۔ یہی حال رہا تو گھر پہنچتے پہنچتے شادی بھی کر لو گے۔" سعید نے کہا اور ٹیکسی کی کھڑکی سے جھانکتے ہوئے بولا۔ "بس ڈرائیور صاحب ذرا ایک منٹ کے لئے یہاں روک لیں۔"

سامنے ہی ایک مشہور حلوائی کی دکان تھی۔ دروازہ کھولتے ہوئے سعید انجم کی طرف گھوما۔

"لاؤ۔ نکالو دس روپیے۔"

"دس روپیے۔ بات تو پانچ کی ہوئی تھی۔"

"جب دلچسپی بڑھ کر محبت بن سکتی ہے تو پانچ روپیے کیا دس روپیے نہیں بن سکتے۔"

"ضرور بن سکتے ہیں۔" انجم نے ہنستے ہوئے کہا۔ "مگر میں تو تمہارے بقول مرحوم ہو چکا ہوں۔ مردے روپیے کا لین دین نہیں کیا کرتے۔"

"اچھی بات ہے۔" سعید نے بے تکلف انجم کی جیب میں ہاتھ ڈال دیا۔

"ارے ارے یہ کیا کر رہے ہو۔"

"خاموش رہیے آپ مر چکے ہیں نہ بول سکتے ہیں نہ حرکت کر سکتے ہیں۔" سعید نے بٹوے سے دس روپیے کا نوٹ نکالتے ہوئے جواب دیا۔ دوسرے پانچ منٹ میں دس روپیے کی گلاب جامنوں

کا ڈبہ اٹھائے سعید ٹیکسی میں داخل ہو رہا تھا۔

"چل ڈرائیور صاحب۔" اس نے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔ "اب آپ گلشن کالونی چل سکتے ہیں۔"

گھر پہنچتے پہنچتے ساڑھے بارہ بج چکے تھے۔ ڈرائنگ روم میں جلتی ہوئی بجلی سے ظاہر تھا کہ غوری صاحب ابھی تک نہیں سوئے ہیں چنانچہ پہلی ہی گھنٹی پر دروازہ کھل گیا۔

"برخوردار یہ وقت ہے شریف لوگوں کے گھر آنے کا تمہارے حساب میں۔" غوری صاحب نے دیکھتے ہی کہا۔

"سب آپ کی مہربانی ہے۔" انجم نے ناگواری سے جواب دیا۔

"السلام علیکم آپ کے مرید۔" سعید نے سامنے آتے ہوئے کہا۔

"وعلیکم السلام۔" غوری صاحب نے بدستور انجم کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے جواب دیا۔ "یعنی میں نے تم سے کہا تھا کہ اتنی رات گئے تک باہر رہا کرو۔"

"آپ نے میری جو کتابیں گلشن لائبریری میں فروخت کی تھیں" انجم نے اندر قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔ "ان میں میرے پرائز بانڈز رکھے ہوئے تھے۔"

"واقعی۔" غوری صاحب حیرت سے چلتے چلتے رک گئے۔

برخوردار اگر یہ پہلے بتا دیتے تو میں کہ میں کیوں بیچتا تمہارے حساب میں۔ لاحول ولا قوۃ یعنی کہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ دس روپے میں دونوں کتابیں دے کر بھی گھاٹا رہا تمہارے حساب میں۔ کتنے بانڈ تھے ان کے اندر؟

دونوں کتابوں میں دس دس روپے کا ایک بانڈ تھا۔ سعید نے بتایا۔

"گویا بیس روپے۔" غوری صاحب نے منہ چڑایا۔ "بیس روپے میں تو چار سیر گلاب جامنیں آسکتی تھیں تمہارے حساب سے۔"

"بیس روپے نہیں قبلہ بیس ہزار روپے۔" انجم تیزی سے بولا۔ "ان میں سے ایک بانڈ پر پہلا انعام نکل آیا تھا۔"

"برخوردار تم پہلے ادھر آؤ میرے کمرے میں۔" غوری صاحب انجم کا ہاتھ پکڑ کر اپنے کمرے میں لے آئے اور بڑے اطمینان سے بیٹھ کر "بتاؤ کہ یہ کیا چکر ہے تمہارے حساب سے۔"

سعید کی تمام تر کوشش یہی تھی کہ غوری صاحب کی نظر مٹھائی کے ڈبے پر نہ پڑے۔ اب تک وہ بڑی فنکاری کے ساتھ ڈبہ اپنی بغل میں چھپائے ہوئے تھا۔ مگر ڈرائنگ روم ذرا بڑا تھا اور پھر وہاں نسبتاً کم روشنی تھی۔ یہاں کمرے کا تیز بلب فوراً راز فاش کر سکتا تھا چنانچہ وہ کتراتا ہوا میز کی طرف بڑھ گیا اور ذرا جھک کر ہاتھ بڑھاتے ہوئے مٹھائی کا ڈبہ الماری کی آڑ میں رکھ دیا اور خود کرسی پر بیٹھ گیا۔

"قبلہ اس میں چکر کی تو کوئی بات نہیں ہے۔" انجم صبر و تحمل سے بولا۔ "اور اگر ہے تو محض آپ کی وجہ سے۔ میں نے ایک سال پیشتر دس دس روپے کے دو بانڈ خرید کر ڈال دیئے تھے۔ قسمت زبردست تھی اس مرتبہ انعام نکل آیا۔ شاید خدا کو تھی بڑی خوشی سی تھی جو بغیر دینا مقصود نہیں تھی چنانچہ اس نے آپ کے سر پر نازل کر دیا۔ بانڈ میں نے دو کتابوں کے کور میں چھپا کر رکھ دیئے تھے۔ آپ نے جو کتابیں اپنا شوق پورا کرنے کے لیے گلشن لائبریری میں جا کر بیچیں ان میں دو کتابیں بھی شامل تھیں اور شاید کی واپسی یہی تھیں جن کے کور میں بانڈ رکھے تھے اور چونکہ یہ پہلی قسط تھی اس لیے دو بانڈ جس پر انعام نکلا تھا وہ بھی اسی کتاب میں رکھا ہوا تھا۔ میں جلدی سے لائبریری گیا لیکن تو یہ چکر وہ دونوں کتابیں اسی وقت لائبریری کے ایک ممبر کے نام ایشو کر دی گئی تھیں۔ بڑی مشکل سے اس ممبر کو تلاش کر کے اس سے معلوم ہوا کہ وہ ایک جگہ دے چکا ہے۔ پھر جا کر کافی تگ و دو کے بعد اس کا پتہ چلا اور آخر کار وہ کتاب مل گئی جس میں انعامی بانڈ تھا۔"

"مگر ابھی تو میں نے نہیں دیکھی۔ بقول تمہارے حساب میں وہ کتاب کہاں ہے؟"

غوری صاحب بولے "تمہارے ہاتھ میں تو اس بیگ کے سوا اور کوئی چیز نظر نہیں آتی۔"

انہوں نے چشمہ ناک کے اوپر سرکاتے ہوئے غور سے دیکھا۔

"یا پھر اس وقت مارے خوشی کے کچھ مجھے ہی کم نظر آنے لگا ہے۔"

"کتاب اسی بیگ میں ہے۔" انجم نے جواب دیا۔

"تو ذرا نکال کر دکھاؤ۔ میں بھی تو دیکھوں کہ بیس ہزار کا انعامی بانڈ کیسا

ہوتا ہے۔

انجم نے کچھ حیرت کا اظہار کیا۔

لیکن دوبارہ سعید نے بھی سفارش کی۔ تو بولے "جیسی مرضی ہو لو یہ بھی یا غوری صاحب خود خواہ مخواہ تمہارے ہاتھ سے بانڈ چھین کر بھاگ جائیں گے"

انجم نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے بیگ اپنی گود میں رکھا اور اس کی زپ کھولنے لگا۔

"یہ بیگ تو کسی لڑکی کا معلوم ہو رہا ہے۔"

"جی ہاں، انجم بھائی کی ایک دوست لڑکی کا بیگ ہے۔" سعید نے وضاحت کی۔

"یہ مطلب غوری صاحب چونکے۔ برخوردار لڑکیوں سے بھی دوستی رکھتے ہیں۔"

مگر اس موضوع کی تفصیل میں جانے کی نوبت نہیں آئی۔ انجم تھوڑی دیر میں کتاب نکال کر اس کا کور الگ کر رہا تھا۔ سعید اور غوری صاحب بھرپور توجہ دیتے ہوئے بڑے غور سے اس کے ہاتھوں کی ایک ایک حرکت نوٹ کر رہے تھے۔ انجم نے کور سے چپکا ہوا کاغذ کا کور علیحدہ کیا۔ کور دوہرا تھا۔ اس کی تہہ کھولی۔ مگر دوسرے لمحے اس کی انگلیوں سے چھوٹ کر کور نیچے گر پڑا جیسے ان میں پکڑنے کی سکت نہ رہی ہو۔ انجم یک دم گھبرا کر کھڑے ہوتے ہوئے سعید کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا بات ہے انجم بھائی۔" سعید بھی کھڑا ہو گیا۔

"بانڈ کور میں نہیں ہے۔" انجم کے منہ سے بھرائی ہوئی آواز نکلی۔

"کیا کہہ رہے ہو۔" سعید نے جھک کر فرش پر گرا ہوا کور اٹھایا۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

وہ کور کو یوں جھٹک رہا تھا جیسے بانڈ کوئی سوئی تھی جو کور کے کسی کونے میں چھپی رہ گئی ہو۔

"اس کا صرف ایک ہی مطلب ہو سکتا ہے۔" سعید نے کہا۔ "اور وہ یہ کہ شہزاد جھوٹ بول رہا تھا۔ اس نے قلعے سے باہر آتے ہی بانڈ نکال لیا ہوگا۔"

"یہ سب آپ کے دوستوں کی برکت ہے۔" نجمہ ایک دم غوری صاحب کی طرف پلٹ پڑی۔ "جب سے آپ لوگ آئے ہیں مجھے سکون کا ایک لمحہ میسر نہیں ہوا ہے مگر اب میری برداشت کی حد ہو چکی ہے۔ آپ اس گھر سے چلے جائیں۔ مگر میں اب آپ لوگوں کے ساتھ ایک چھت کے نیچے نہیں رہ سکتی ہوں۔ ابھی اور اسی وقت چلے جائیے۔"

وہ تیزی سے کمرے سے نکلتی چلی گئی۔

"یہ نجمہ کیسی باتیں کر رہی ہیں برخوردار۔" غوری صاحب نے حیرت سے سعید کی طرف دیکھا۔ "ذرا تم ہی جا کر سمجھاؤ کہ ان کے کمرے کی چھت تو بالکل الگ ہے۔ اگر پھر بھی وہ چاہیں تو چھت پر جا کر رہ سکتے ہیں۔ موسم خاصا گرم ہو رہا ہے۔ چھت پر پڑے آرام سے رہیں گے تمہارے حساب میں۔"

"انجم بھائی اس وقت بڑے غصے میں لگے ہیں۔" سعید نے جواب دیا۔ "لیکن خدا خیر ہی کرے آپ کے سر پر۔ بہر حال میں کوشش کرتا ہوں۔"

سعید کمرے سے باہر نکلا۔ سامنے ہی انجم کا کمرہ تھا مگر قریب پہنچ کر سعید کے قدم آپ ہی آپ رک گئے۔ اندر صرف نجمہ ہی نہیں بلکہ حسب معمول گھونگھٹ ڈالے ہوئے شبانہ بھی موجود تھی۔ سعید نے دروازے کی آڑ میں کھڑے ہوتے ہوئے اندر جھانکا۔

انجم الماری سے اپنے کپڑے نکال نکال کر سوٹ کیس میں ٹھونس رہا تھا۔

"میرا خیال ہے اگر آپ صبح بھی چلے جاتے تو کوئی ایسا خاص فرق نہ پڑتا۔" شبانہ کہہ رہی تھی۔

"ہمدردی کا شکریہ۔" انجم نے بڑے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "شاید میں ایک منٹ یہاں نہیں ٹھہر سکتا۔"

"یہ تو آپ غلط کہہ رہے ہیں۔" شبانہ سادگی سے بولی۔ "کم سے کم پانچ منٹ تو ہو گئے ہوں گے آپ کو سامان باندھتے ہوئے۔ اور ابھی کم سے کم دس پندرہ منٹ اور لگ جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ تم جو چاہے مذاق اڑا لو۔ میں اسی قابل ہوں۔" انجم نے تلخی سے جواب دیا۔

"خیر اب آپ کسی قابل بھی ہوں میرے شوہر ہیں۔" شبانہ نے بڑا سیدھا سا جواب دیا۔ "میرا سہاگ آپ کے دم سے ہے۔ آپ جہاں بھی جائیں گے میرا دل بھی ساتھ ہوگا۔"

کیا۔ انجم کے ہاتھ سے قمیص چھوٹ کر گر پڑی۔ "تم لوگ کیا چاہتے ہو میں مر جاؤں؟"

"خدا نہ کرے مریں آپ کے دشمن۔"

"کان کھول کر سن لو۔ تم میرے ساتھ ہرگز نہیں جا سکتیں۔"

"اگر یہ آپ کا حکم ہے تو نہیں جاؤں گی۔ مگر وعدہ کیجئے جلدی آ جائیں گے۔ بزرگوں کا کہنا ہے کہ لڑکیاں اپنے گھر ہی اچھی لگتی ہیں۔"

انجم اس قدر غصے میں تھا کہ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے

کپڑے سوٹ کیس میں ٹھونستا رہا۔

"مگر اس وقت آپ جائیں گے کہاں؟" شبانہ خود ہی بولی۔

"ریلوے اسٹیشن پر۔ کل سے چھٹی لے رہا ہوں۔ دو دن بعد جا کر ریلوے میں کمرہ لکھواؤں گا کہ آپ لوگ زبردستی میرے گھر پر قبضہ کر کے بیٹھ گئے ہیں۔"

"لائے تو آپ ہی تھے۔"

"ٹھیک کہہ رہی ہو۔" انجم سوٹ کیس چھوڑ کر میز کی طرف بڑھا۔ "یہ میری ہی حماقت تھی۔ آئندہ کے لیے کان پکڑتا ہوں کہ کسی کے ساتھ نیکی نہیں کروں گا۔"

شبانہ بھی انجم کے ساتھ ہی میز کی طرف بڑھ گئی۔ انجم نے میز کی دراز سے سامان نکالنا شروع کر دیا۔ جب ایک طرف کی دراز سے تمام چیزیں نکال لیں تو دوسری طرف متوجہ ہوا۔

"اس دراز میں آپ کی کوئی چیز نہیں ہے۔" شبانہ نے کہا۔ "کل رات آپ کے دراز خالی کر دیے تھے۔ یہاں میں نے اپنی کچھ چیزیں رکھ دی تھیں۔"

"کس کی اجازت سے؟" انجم نے زبردستی دراز کھولنا چاہی۔ "یہ میز میری ہے۔"

"اور میں آپ کی بیوی ہوں۔"

"اوہ۔ جہنم میں جاؤ۔" انجم نے ادھ کھلی ہوئی دراز زور سے بند کر دی۔ شبانہ کے دوپٹہ کا پلو جس کا سرا میز پر پڑا تھا دراز کے ساتھ ہی اندر بند ہو گیا۔

"اگر آپ مجھ سے اتنے ہی ناراض ہیں تو اپنے ساتھ لے کر چلے جائیے۔" شبانہ نے جواب دیا۔ "مگر سوچ لیجئے کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں خود ہی پچھتانے لگیں۔"

"خدا کے لئے تم یہاں سے چلی جاؤ۔" انجم نے شبانہ کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف کھینچا۔ "تمہاری موجودگی میں۔۔۔"

مگر یہ فقرہ انجم پورا نہیں کر سکا۔ ہاتھ پکڑ کر کھینچنے کے نتیجہ میں شبانہ دروازہ کی طرف کئی قدم آگئی تھی مگر اس کا ڈوپٹہ دراصل جیسے ... کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ گھونگھٹ جو ایک لمحہ کے لئے اس کے چہرہ سے نہیں اٹھایا گیا تھا ہٹ گیا۔ اور پھر انجم ہی نہیں دروازے کی آڑ میں چھپا ہوا سعید بھی حیرت سے آنکھیں پھاڑے گھورتا ہی رہ گیا۔

انجم کے سامنے ڈوپٹہ سے بے نیاز تنویر کھڑی مسکرا رہی تھی۔

بڑی دیر تک انجم کوئی بات کرنے کے قابل نہیں ہو سکا۔

"میرا ہاتھ چھوڑ دیجئے" شبانہ نگاہیں نیچی کرتے ہوئے بولی۔ "آپ بے کہے میری موجودگی پسند نہیں کرتے ہیں۔ لو کس لئے کہ آپ کے گھر سے چلی جاتی ہوں۔ آپ کو پولیس اسٹیشن میں رپورٹ لکھوانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔"

اس نے آگے قدم بڑھایا اور انجم جیسے یکدم ہوش میں آگیا۔

"تم۔۔ تنویر۔۔ شبانہ۔۔۔ یہ کیا اسرار ہے۔" اس نے شبانہ کو شانوں سے پکڑ لیا۔

"میرا نام تو تنویر شبانہ نہیں۔ شبانہ تنویر ہے۔ مگر اب آپ شاید ... سعید صاحب میں تو جا رہی ہوں۔"

"شبانہ!" انجم بانہیں کھولے ہوئے آگے بڑھا۔

"ونڈر فل!" سعید نے دروازے کی آڑ سے نکل کر تالی بجائی۔ "بھابھی شبانہ زندہ باد!"

انجم نے گھبرا کر سعید کی طرف دیکھا۔ شبانہ نے ہوش سے دور زمین پر پھنسا ہوا ڈوپٹہ کھینچا اور ڈوپٹہ کے ساتھ ہی دور تک لہنگی چلی گئی۔ انجم کی تقدیر میں حیرت کا ایک دوسرا جھٹکا بھی لکھا تھا۔ دروازہ فرش پر گری تو ساتھ ہی ایک لفافہ بھی اڑتا ہوا نیچے آ رہا۔ شبانہ نے جھک کر اسے اٹھا لیا۔

"لیجئے" وہ انجم کی طرف ہاتھ بڑھا کر بولی۔

"یہ کیا ہے؟"

"آپ کا بیس ہزار کا انعامی بانڈ" شبانہ نے جواب دیا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" وہ سر جھٹکتے ہوئے بڑبڑایا۔

"میں نے لائبریری سے نکلتے ہی نئی کی بانڈ ... سے نکال لیا تھا" شبانہ نے بتایا۔ "تجسس سے مجبور ہو کر بانڈ نکالنے کے لئے ہی تو ٹھہر گئی تھی کہ وہ بڑے میاں آ گئے۔ انہوں نے مجھے گھور کر دیکھا۔ میں ڈر گئی کہ آپ کی جو ہوں سے وہ مجھے پاگل سمجھے لئے ہیں کہیں پکڑنے کے لئے نہ دوڑ پڑیں۔ جلدی سے بس سٹاپ کی طرف گھوم گئی۔ واپسی کی تیاری کر رہی تھی کہ آپ لوگ نظر آئے۔ مجبوراً بس پر چڑھنا پڑا۔"

"مگر پھر بھی گستاخی معاف۔" سعید نے کہا۔ "ہمارے خوری صاحب تو کتابوں کے بدلے مٹھائی کھا رہے تھے۔ آپ کے پاس لائبریری میں جمع کرنے کے لئے پچاس روپے کہاں سے آگئے؟"

"مجھے ابو کی عادت معلوم ہے اس لئے میں ہمیشہ وقت بے وقت کے لئے سو دو سو روپے پاس رکھتی ہوں۔ اگر آپ کے دوست اسٹیشن پر نہ ملتے تب بھی کوئی پریشانی نہ ہوتی۔"

"جی ہاں اب تو آپ یہی کہیں گی۔" انجم نے منہ چڑاتے ہوئے کہا۔

"ایک بات اور۔" سعید نے ہاتھ اٹھایا۔ "یہ بتائیے کہ . . ."

"ذرا ٹھہرو۔" انجم بات کاٹ کر بولا۔ "شبانہ اور ثمینہ والی بات ابھی تک میرے حلق سے نہیں اتری ہے۔ گھر آنے کے بعد میں نے بیشک شبانہ کی صورت نہیں دیکھی مگر آواز تو سنتا رہا ہوں۔"

"رائٹ یو آر۔" سعید نے سر ہلا کر تائید کی۔ "میں بھی یہی کہنے والا تھا۔"

"میں شبانہ کی حیثیت سے آپ کے سامنے منہ میں مٹھائی کی گولی رکھ کر بات کیا کرتی تھی۔" شبانہ نے جواب دیا۔ "ظاہر ہے آواز میں فرق پیدا ہو ہی جانا چاہیے تھا۔"

"مٹھائی کی گولی۔" انجم نے گھبرا کر کہا۔

"گھبرائیے نہیں۔ یہ میری عادت نہیں ہے۔" شبانہ مسکرائی۔

"اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ مجھے دفتر میں فون . . ." انجم کہتے کہتے رک گیا۔

"جی ہاں میں ہی تھی۔" شبانہ کچھ شرما کر بولی۔

"مگر کیوں۔"

"لاحول ولاقوۃ۔" سعید نے کہا اور منہ بنا کر شبانہ کی طرف دیکھا۔ "معاف کیجیے گا بھابھی آپ کے سامنے کہہ رہا ہوں۔"

وہ پھر انجم سے مخاطب ہوا۔

"ہاں تو ایک مرتبہ پھر لاحول ولاقوۃ۔ بالکل گدھے ہی رہے۔ ظاہر ہے یہ سوال میرے سامنے پوچھنے کا نہیں۔ ویسے جواب میں دے سکتا ہوں۔ میرا خیال ہے یہ کسی قسم کا امتحان تھا۔ اب یہ بھابھی ہی بتائیں گی تم پاس ہوئے یا فیل۔"

"آپ کا خیال درست ہے۔" شبانہ نے کچھ شوخی کچھ حجاب سے انجم کی طرف دیکھا

"اچھا۔" انجم نے سر کھجایا۔ "تو آں محترمہ میرا امتحان لے رہی تھیں۔" وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"پلیز" سعید نے نعرہ لگایا۔ "آپ لوگ ایک منٹ اسی پوزیشن میں کھڑے رہیں میں بھاگ کر مٹھائی کا ڈبہ لے آؤں۔ بخدا آج تک دنیا میں کسی نے اسنے مناسب ترین موقع پر گلاب جامنیں نہیں کھائی ہوں گی۔"

وہ بھاگتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ مٹھائی کا ڈبہ بدستور الماری کی آڑ میں رکھا تھا۔ اس نے غوری صاحب کی طرف توجہ دیئے بغیر ڈبہ اٹھایا اور پلٹ پڑا۔ انجم اپنی حیرت پر قابو پاتے ہوئے شبانہ کی طرف لپکا۔ شبانہ ایک مترنم قہقہہ لگاتی ہوئی اس کی گرفت سے بچ کر دروازے کی طرف بھاگی۔ ادھر سعید کمرے میں داخل ہوا اور ادھر شبانہ بہار کے معطر جھونکے کی طرح کمرے سے نکل گئی۔ انجم اس کے پیچھے جا رہا تھا مگر سعید کو دیکھ کر رک گیا۔

"میں نے تو مذاق میں کہا تھا مگر تم نے تو سچ مچ گھر پہنچتے پہنچتے تو بہ بھابی سے شادی کر لی۔" سعید نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اگر مجھے پہلے سے معلوم ہوتا کہ وہ قبول دعا کی گھڑی ہے تو لگے ہاتھوں اپنے اور نرگس کے بیاہ کی دعا بھی مانگ لیتا۔ بہرحال اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ ہیں بڑے خوش نصیب۔"

اس نے مٹھائی کا ڈبہ میز پر رکھنا شروع کیا۔

"مگر یار میری سمجھ میں ابتک یہ راز نہیں آیا۔" انجم واقعی حیران تھا۔

"گلاب جامن کھا کر سوچو جلدی سمجھ میں آجائے گا۔" سعید نے جواب دیا۔ "اطباءنے شیرینی کی راسے میں ذہن کی جلا اور بقا کے لیے تبت ثو تھ پیسٹ... لاحول ولا قوۃ یار یہ کمرشیل پروگرام روزمرہ کی گفتگو کا بھی ستیاناس کر رہے ہیں۔ میرا مطلب تھا کہ گلاب جامن... مگر... یہ کیا۔"

انجم نے آگے بڑھ کر ڈبے میں جھانکا۔ سعید کی حیرت بے جا نہیں تھی جس ڈبہ میں دس روپے کی تر و تازہ گلاب جامنیں ہونا چاہیئے تھیں وہاں پتھر اور بجری بھری ہوئی تھی۔ انجم نے ایک بلند قہقہہ لگایا۔

"میں سمجھ گیا۔" سعید نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

"بغیر گلاب جامنیں کھائے سمجھ گئے۔" انجم ہنستے ہوئے بولا۔

"یار خدا کے لیے تم اپنے خسر صاحب کا کوئی علاج کراؤ ورنہ یہ تو ہمارا مٹھائی کھانا حرام کر دیں گے۔"

"جب تمہیں معلوم تھا تو تم نے ڈبہ اس کمرے میں چھوڑا ہی کیوں۔"

"جی ہاں اب تم ان کی طرفداری نہیں کرو گے تو کون کرے گا۔" سعید نے منہ بسورا۔ "مگر دس روپے کی گلاب جامنیں میں بڑے میاں کو ایسے ہضم نہیں کرنے دوں گا۔ ذرا آؤ تو سہی۔"

وہ انجم کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹتا ہوا غوری صاحب کے کمرے میں لے گیا۔ کمرے میں ایک کرسی پر غوری صاحب اور دوسری کرسی پر شبانہ بیٹھی تھی۔ گلاب جامنوں کا ڈبہ کھلا ہوا دونوں کے درمیان میز پر رکھا ہوا تھا۔

"آؤ برخوردار تم بھی کھاؤ۔" غوری صاحب ایک گلاب جامن اٹھا کر منہ میں رکھتے

ہوئے بولے۔ "واللہ بڑی لذیذ گلاب جامنیں لائے ہو تمہارے حساب میں۔"

"میں تو آپ سے لڑنے آیا تھا۔" سعید نے جواب دیا۔ "مگر اس وقت لڑنے کا موقع نہیں ہے آپ کے سر پر۔"

سعید نے آگے بڑھ کر ایک ہی ہاتھ میں آٹھ دس گلاب جامنیں اٹھا لیں۔

"نہیں نہیں تم بےشک لڑو میں پوری توجہ سے سن رہا ہوں۔" غوری صاحب نے کہا۔ "مگر میں جواب گلاب جامنیں کھانے کے بعد ہی دوں گا تمہارے حساب میں۔"

"آپ ہی کے داماد کا دوست ہوں قبلہ۔" سعید جلدی جلدی منہ چلاتے ہوئے بولا۔ "گلاب جامنیں سامنے رکھی ہوں تو لڑنا حرام سمجھتا ہوں آپ کے سر پر۔ مگر یہ ماننا پڑے گا کہ مٹھائی کی خوشبو سونگھنے میں آپ کا جواب نہیں۔"

"برخوردار بغل کے پیچھے ڈبہ چھپا کر اگر تم یہ سمجھ رہے تھے کہ میں نے دیکھا نہیں ہوگا تو یہ تمہاری حماقت تھی۔ میں نے دروازہ کھولنے سے پہلے ہی خوشبو سونگھ لی تھی۔"

"جی ہاں علامہ اقبال نے شاید اسی موقع کے لیے کہا ہے۔" انجم بھی ہاتھ صاف کرنے میں کسی سے پیچھے نہیں تھا۔ "کہ تو بچا بچا کے نہ رکھ انہیں تیری جامنیں ہیں وہ جامنیں کہ جو ست میں ہوں تو عزیز تر ہیں نگاہ شیریں ساز میں۔"

"میرا تو خیال تھا برخوردار کہ تم اتنے غصے میں ہو کر تمہارے حصے کی گلاب جامنیں بھی مجھے ہی کھانا پڑیں گی۔" غوری صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "مگر تم تو میرے حصے کی بھی صاف کیے جا رہے ہو۔"

"دراصل یہ اپنا غصہ گلاب جامنوں پر ہی تو اتار رہے ہیں۔" سعید بولا۔

"دور جانے کے پروگرام کا کیا رہا تمہارے حساب میں۔"

"جب غصہ ہی اتر گیا تو اب کون جاتا ہے آپ کے سر پر۔" سعید نے جواب دیا۔ "ویسے بھی جس بات پر غصہ آیا تھا وہ تو ختم ہی ہو گئی۔"

"کیا مطلب تمہارے حساب میں۔"

"وہ بیس ہزار روالا انعامی بانڈ مل گیا نا آپ کے سر پر۔"

"اچھا کہاں ملا۔"

"میں نے بتایا نا کہ آپ کے سر پر۔"

"برخوردار اگر یہ تمہارا تکیہ کلام نہ ہوتا تو میں ابھی اپنے سر پر ہاتھ پھیرنے لگتا۔" غوری صاحب گلاب جامنوں کے خالی ڈبے میں جھانکتے ہوئے بولے۔ "بات ذرا تفصیل سے کیا کرو۔"

"بات میں بتاتی ہوں ابو۔" شبانہ نے شوخ نظروں سے انجم کی طرف دیکھا۔ "میں ان کے کمرے میں صفائی کرتے ہوئے اس بات سے واقف ہو گئی تھی کہ انہوں نے پرائز بانڈ کتابوں کے کور میں چھپا رکھے ہیں۔ آج کمرے میں اخبار پہنچانے سے پہلے میں نے خود بھی ایک نظر دیکھ لیا تھا اور انعامی بانڈ کی قرعہ اندازی دیکھ کر سمجھ گئی کہ اس رات سب سے پہلے اخبار پہنچانے کی تاکید کیوں کی گئی ہے۔ پھر جب ان دو کتابوں کے بارے میں ان کی بیتابی دیکھی تو یہ اندازہ بھی کر لیا کہ نہ صرف کوئی بڑا انعام نکل آیا ہے بلکہ وہ ان دو کتابوں میں سے کسی میں ہے۔ آج شام یہ معلوم ہوتے ہی کہ کتابیں گلشن لائبریری پہنچ گئی ہیں میں ان کے نکلنے سے پہلے گھر سے نکل گئی۔ لائبریری سے دونوں کتابیں لیں۔ اخبار سے قرعہ اندازی کے نتائج دیکھے اور وہ بیس ہزار انعام والا بانڈ کتاب کے کور سے نکال لیا۔"

"آپ کے بیگ میں اخبار دیکھ کر تعجب تو مجھے بھی ہوا تھا آپ کے سر پر۔" سعید بولا "اگر میں کوئی سراغ رساں ہوتا تو فوراً سمجھ جاتا کہ بائنڈ یقیناً آپ نے نکال لیا ہے۔"

"ایک بات تو بتایئے غوری صاحب۔" انجم نے چونکتے ہوئے پوچھا۔ "ہاں کسٹم پوسٹ پر ٹرین میں کیا کوئی اور لڑکی شبانہ کی جگہ آکر بیٹھ گئی تھی؟"

"ارے وہ۔" غوری صاحب نے یاد کرتے ہوئے کہا۔ "ہاں ایک بیٹھ تو گئی تھی تمہارے حساب میں۔ مگر تمہیں کیسے پتہ چلا برخوردار؟"

"قبلہ اس لڑکی نے ہی تو سارا معاملہ گڑبڑ کر دیا تھا۔" سعید بولا۔ "وہ لڑکی بھابھی شبانہ کی جگہ آکر بیٹھ گئی اور انجم بھائی یہ سمجھے کہ بھابھی شبانہ بیٹھی ہیں آپ کے سر پر چنانچہ اس کی صورت دیکھ کر یہ بھابھی کو بدصورت خیال کرنے لگے تھے۔ بہرحال خدا کا شکر ہے کہ ساری غلط فہمی دور ہو گئی۔ اور اب میرا خیال ہے کہ یہ اکیلے جانے کے بجائے بھابھی شبانہ کو بھی ساتھ لیکر ہنی مون منانے جائیں گے آپ کے سر پر۔"

"برخوردار مجھے احساس ہوتا جا رہا ہے کہ تمہارا یہ تکیہ کلام نہایت واہیات ہے تمہارے حساب میں۔" غوری صاحب نے سعید کو گھورتے ہوئے کہا۔ "کوئی دوسرا آدمی سنے تو اس جملے سے کیا معنے نکالے گا۔ یہی نا کہ برخوردار انجم سلمہ اب ہنی مون منانے میرے سر پر جائیں گے تمہارے حساب میں۔ لاحول ولاقوۃ۔ تمہیں اپنا تکیہ کلام بدلنا پڑے گا برخوردار۔"

"مجھے معلوم ہے کہ یہ سعید بھائی نے محض ابو کو ستانے کے لئے شرارت میں کہنا شروع کیا تھا۔" شبانہ ہنستے ہوئے بولی۔ "اس لئے بدلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ اسے بالکل ترک کر سکتے ہیں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے شبانہ بھابھی مگر اب عادت جو پڑ گئی ہے آپ کے سر پر۔" سعید نے جواب دیا۔ "ویسے میں ایک شرط پر چھوڑنے کا وعدہ کر سکتا ہوں۔"

"وہ کیا شرط ہے برخوردار تمہارے حساب میں۔"

"یہ کہ آپ تمہارے حساب میں کہنا چھوڑ دیں۔"

"یہ بھی کوئی شرط ہے تمہارے حساب میں۔"

"جی ہاں بس یہی شرط ہے آپ کے سر پر۔"

"لاحول ولاقوۃ میں اپنا تکیہ کلام کیسے چھوڑ سکتا ہوں تمہارے حساب میں۔"

"اور میں اپنا تکیہ کلام کیسے چھوڑ سکتا ہوں آپ کے سر پر۔"

"برخوردار بڑھاپے میں کوئی عادت کہاں چھوٹتی ہے تمہارے حساب میں۔"

"میں بھی یہی کہتے کہتے ایک دن بوڑھا ہو جاؤں گا آپ کے سر پر۔"

"استغفراللہ بڑے ضدی ہو تمہارے حساب میں۔"

"جی ہاں وہ تو ہوں آپ کے سر پر۔"

پتہ نہیں تمہارے حساب میں اور آپ کے سر پر کے اس جھگڑے کا انجام کیا ہوا کیونکہ انجم اور شبانہ تو دو تین جملوں کے بعد ہی چپ چاپ کمرے سے کھسک گئے تھے اور اپنے کمرے میں ایک نئی زندگی کے عہد و پیمان استوار کرتے ہوئے انہیں اس بات کا ہوش ہی کہاں تھا کہ وہ ایک دوسرے کے حساب میں ہیں یا ایک دوسرے کے سر پر۔ البتہ پڑوس کے میر صاحب کا کہنا ہے کہ غوری صاحب کے کمرے سے صبح تک تمہارے حساب میں اور آپ کے سر پر کی آوازیں بلند ہوتی رہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(ختم شد)